آٹھواں باب

ہجر

وہ تھر تھر کانپتا بوڑھا آدمی، اپنی دو جوان بیٹیوں اور کمزور بیوی کے ساتھ تقریباً اُسکے قدموں میں بیٹھا تھا۔ اُسکے آس پاس چند پولیس والے ہاتھوں میں گن لئے کھڑے تھے۔

''مجھ پر رحم کرو، میں کہاں جاؤں گا اس وقت ؟ میرے پاس کوئی جگہ نہیں ہے رہنے کو'' اُس نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے۔ سامنے کرسی پر بیٹھا شخص مکروہ چہرے کے ساتھ مُسکرایا تھا۔

''تم کہاں جاؤ گے۔۔۔۔ یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ مجھے تم اس گھر میں نہیں چاہیے۔'' ڈارک براؤن تھری پیس سوٹ میں ٹانگ پر ٹانگ جمائے وہ سفاکی سے بولا۔

''میری بیٹیاں ہیں، تم مجھے ایک رات کا ہی وقت دے دو۔ اس وقت میں کہاں جاؤں گا؟'' وہ بے بس اور سامنے والا بے حس۔۔۔

''سات سال پہلے میں تمہیں کہہ کر گیا تھا کہ واپس آؤنگا۔ تم نے تب ہی اپنا بندوبست کیوں نہیں کیا؟ ایک رات میں کیا اُکھاڑ لوگے تم؟ پولیس والے تمہارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیں، اس سے پہلے ہی یہاں سے نکل جاؤ'' سگریٹ کا کش لیکر فضا میں دھواں چھوڑتے وہ بولا تھا۔

''چلو جلدی کرو، شاباش۔۔۔'' سکون سے کہہ کر صوفے سے ٹیک لگائی اور مزید دھواں ہوا میں چھوڑا۔

''رضا! کیا میں تمہارا ماموں نہیں؟ کیا میں وہ نہیں جس نے اتنی عرصے تمہیں پالا تھا؟'' وہ چیخ اٹھے تھے۔ اُنکی بات پر رضا نے استہزایہ انداز میں ہنستے ہوئے اُنہیں دیکھا۔

''میں بھی آپکا بھانجا ہونے کا ہی ثبوت دے رہا ہوں'' تمسخر اڑاتے انداز میں کہا گیا۔ سگریٹ کی بو سارے میں بس چکی تھی۔

''مت کروایسا! تمہیں، تمہاری ماں کا واسطہ'' اگلے ہی لمحے رضا بھرپور اشتعال میں سیدھا ہوا اور صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی اُنکی طرف جھکا اور اُنہیں گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے اپنے سامنے کیا۔

''میری ماں کا ذکر بھی مت کرنا۔۔۔ ہرگز نہیں'' وہ دھاڑا تھا۔ اُنکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''بس بہت ہو گیا۔'' وہ اُسکا گریبان چھوڑتے چیخا ''مجھے یہ آدمی مزید ایک منٹ اور اس گھر میں نہیں چاہیے۔۔۔ فوراً باہر نکالو اسے! مزاحمت کرے تو تم بھی اسکی عمر کا لحاظ مت کرنا۔'' ان الفاظ پر پولیس کے لباس میں ملبوس وہ گن مین حرکت میں آئے اور، اُسکے ماموں کی جانب بڑھے پھر اُنہیں دونوں بازوں سے پکڑ کر گھسیٹنا شروع کر دیا۔

''ابّا! ابّا!۔۔۔ روکو انہیں رضا۔۔۔ خدا کے لیے۔'' اُنکی بڑی بیٹی چیختے ہوئے آگے بڑھی اور رضا کا بازو پکڑ کر منت کرنے لگی مگر اُسے کوئی فرق نہ پڑا۔

''میں نہیں جاؤں گا۔۔۔ نہیں جاؤں گا یہاں سے'' وہ بھی پورا زور لگا رہے تھے۔ لیکن ان کے اندر اب اتنی طاقت نہ بچی تھی۔ وہ گھسیٹتے ہوئے اُنہیں گھر سے باہر لے گئے۔

''رضا پلیز۔۔۔'' وہ اُسکے قدموں میں بیٹھ گئی۔ لیکن اُس نے دیکھنا تک گوارہ نہ کیا۔ ایک اور سگریٹ جیب سے نکال کر سکون سے سلگائی اور ہونٹوں سے لگا لی۔

''ابّا!۔۔۔'' رضا پر اپنی بات کا کوئی اثر ہوتا نہ دیکھ وہ اُسے وہیں چھوڑ کر باہر بھاگی تھی۔ اُس کے چہرے پر سخت تاثرات آئے اور اگلے ہی لمحے وہ جھٹکے سے اٹھتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔

''مت کرو، مت کرو ایسا۔۔۔ اللہ کا خوف کرو۔'' اُسکی مامی بھی اب منت کرنے لگی تھیں۔ محلے والے اُسکے دروازے پر جمع ہو چکے تھے۔ لیکن پولیس کی گاڑیاں دیکھ کر کسی کی ہمت نہیں ہوئی کہ آگے آئے۔

''رضا! کیوں کر رہے ہو بیٹا ایسے؟ تم تو ایسے نہیں تھے۔'' محلے کے کسی بزرگ نے اُسے وہاں دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ تب بھی ایسے ہی کھڑا رہا جیسے اُسکے کان ہوں نہ آنکھیں۔۔۔۔

''تم ٹائر لگا رہے ہو یا بنا رہے ہو؟'' علی گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر کھڑا تھا۔ حسین سے اب تک ایک ٹائر لگ کے نہیں دے رہا تھا۔

''مدد نہیں کر سکتے تو طنز بھی مت کرو'' وہ جھلّایا۔

''خود ہی لائے تھے ساتھ، اب برداشت کرو۔۔۔'' علی نے بھی کرارا جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا، اُسکی نظریں گلی کے کونے تک گئیں، جہاں اچھا خاصا رش لگا تھا۔

''وہاں کونسا لنگر بٹ رہا ہے؟'' اُسکی نظروں کے تعاقب میں علی نے بھی دیکھا۔

''میرے خیال میں کوئی مسئلہ ہوا ہے۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

''ظاہر ہے، لیکن مسئلہ کیا ہوا ہے وہاں؟'' حسین اُٹھ کھڑا ہوا۔اب چیخنے چلانے کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

''چلو دیکھ کر آتے ہیں۔'' حسین آگے بڑھا تو علی نے فوراً ہی اُسکا بازو تھام کر اُسے روکا۔

''کیا ضرورت پڑی ہے پرائے جھگڑوں میں گھسنے کی، تم ٹائر لگاؤ''

''میں تو جاؤں گا، کیا معلوم کسی کو مدد کی ضرورت ہو۔ چلو شاباش۔۔۔اتنے بے حس مت بنو۔'' وہ اُسے بھی اپنے ساتھ کھینچتا کھانچتا لے آیا۔

''تم کتنے ظالم ہو۔۔۔کیسے انسان ہو تم؟ ہمارے پاس رہنے کو کوئی جگہ نہیں ہے۔کچھ تو رحم کھاؤ۔'' ماموں کی بیٹی چلا رہی تھی پر اُسکے سکون میں رتی بھر بھی فرق نہیں آرہا تھا۔مرکزی دروازے کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا وہ ایک اور سگریٹ جلا چکا تھا۔

مجمع میں کھڑے حسین اور علی تو کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو کی مصداق فق ہوتے چہروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔پولیس والے اب اُنکا سامان گھر سے باہر پھینکنے لگے۔

''اللہ تمہیں برباد کرے رضا!۔۔۔تم برباد ہو۔'' اُسکے ماموں کی بیٹی چیختے ہوئے اُسکی طرف بڑھی، ایک پولیس والے نے آگے بڑھ کر اُسے بازو سے پکڑا۔ اور اُسی لمحے رضا سیدھا ہوا۔

''چھوڑو اُسے!'' اُسکی دھاڑ پر پولیس والے نے فوراً اُسکی کزن کو چھوڑا تھا۔اُسکے ماموں کے خاندان سمیت پورے مجمع کو سانپ سونگھ گیا۔

''دوبارہ ہاتھ مت لگانا اسے۔۔۔'' سرخ آنکھوں کے ساتھ اُسے وارن کیا۔

''جی صاحب!۔۔۔'' وہ شرمندہ ہوتا پیچھے ہٹ گیا۔رضا اپنی ماموں کی بیٹی کی طرف گھوما۔

''تمہارے اور تمہارے باپ کے پاس صرف دو مہینے ہیں، ان دو مہینوں میں اپنے رہنے کا بندوبست کرو ورنہ اگلی بار رحم نہیں کروں گا۔اور جب تک یہاں ہو، تم سب سرونٹ کوارٹر میں رہو گے۔گھر میں داخل ہونے کی کوشش بھی مت کرنا'' اُسے انگلی اٹھا کر وارن کرتا، وہ جواب سننے کے لیے رکا نہیں تھا، بلکہ مجمع کو چیرتا وہاں سے نکل گیا تھا۔

''یہ کس قسم کی گھٹیا حرکت ہے؟'' علی کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، اس سے پہلے کے وہ اُسکے پیچھے جاتا حسین نے فوراً اُسکا بازو پکڑا۔

''رک جاؤ علی! تم پھر وہی غلطی کرنے جا رہے ہو۔'' علی نے بے یقینی سے اُسکو دیکھا۔

''تم اب بھی اُسکی وکالت کر رہے ہو، اب بھی؟ اتنے بے حس مت بنو۔'' اُسی کے الفاظ اُسی کو لوٹاتا، اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے اُسکے پیچھے گیا۔

''یار!۔۔۔''سخت کوفت سے کہتا حسین اُسکے پیچھے بھاگا۔اس وقت وہ کوئی جھگڑا نہیں چاہتا تھا۔

رضا پیدل ہی تھا لیکن دوسری گلی میں داخل ہو چکا تھا،وہاں کوئی اور مخلوق نظر نہیں آرہی تھی۔

''رضا!۔۔''علی کی سخت مگر دھاڑتی ہوئی آواز اپنے پیچھے سنائی دی تو مڑ کر دیکھا۔وہ گلی کے کونے پر تھا،اور رضا گلی کے بیچ میں۔

''بس اسی کی کمی تھی۔''اُسے دیکھ کر بیزار سا منہ بنایا اور پاس کھڑی گاڑی سے ٹیک لگالی۔جیسے اُسکا انتظار کر رہا ہو۔جتنی دیر میں علی اُس تک پہنچا وہ جیب سے سگریٹ کا ڈبہ نکال چکا تھا۔

''کس قسم کے انسان ہو تم؟تھوڑی سی بھی انسانیت باقی نہیں رہی کیا تم میں؟میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس حد تک بھی گر سکتے ہو''وہ انگارہ ہوتی آنکھوں سے اُسکے قریب آتے ہوئے پھنکارا تھا۔رضا نے سکون سے سگریٹ منہ سے لگائی پھر لائٹر آن کر کے اسے سلگانے لگا۔انداز ایسا تھا جیسے قریب ہی کوئی جانور بھونک رہا ہو اور اُسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔اتنی دیر میں یہ اُسکی چوتھی سگریٹ تھی۔علی اندر تک سلگ اٹھا۔

''کچھ تو شرم کر لو رضا!کیسے تم لوگوں پر اتنا ظلم کر سکتے ہو؟کیسے؟''وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

''علی!رک جاؤ،ہم یہ بات بعد میں کریں گے۔ابھی چلو یہاں سے''حسین بھی وہیں آگیا تھا اور آتے ساتھ ہی اُسے بازو رکھنے کی کوشش کی تھی۔رضا اُن دونوں کو نظر انداز کیے گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا،اپنے آس پاس کی فضا دھواں دھواں کر چکا تھا۔اُسکا رخ سامنے نظر آتے گھروں کی جانب تھا،اُن دونوں کو تو وہ دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔علی کو اس وقت وہ شدید زہر لگا۔

''تم وہی نہیں ہو،جس کے پاس رہنے کو جگہ تک نہ تھی؟آج اگر تمہارے پاس دولت اور طاقت ہے تو تمہارا بس کمزوروں اور عورتوں پر ہی چل سکا؟ساری دنیا میں کسی غریب کا تماشہ لگا کر کیا ملا؟''وہ نفرت سے بولا تھا۔

''علی!بس۔۔۔''حسین کی آواز بلند ہوئی تھی۔گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا رضا سیدھا ہوا اور مسکراتے ہوئے اُسے براہ راست دیکھا،ویسی ہی طنزیہ مسکراہٹ جو اُس روز ایف آئے اے کے آفس میں اُسکا ہر الزام سنتے،اُسکے چہرے پر تھی۔وہی تمسخر اڑاتا انداز۔۔۔

''کیا تم وہی نہیں ہو جس نے پچھلے ہی ہفتے رات کے گیارہ بجے اپنی بیوی کو ہاتھ سے پکڑ کر گھر سے باہر نکالا تھا؟''اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو علی کے پیروں تلے زمین سرک گئی۔

''ساری دنیا میں،اپنی ہی بیوی کا تماشہ لگا کے کیا ملا؟''اُسی کا سوال اُسی کے منہ پر مارتا وہ سکون سے اُسے دیکھ رہا تھا۔حسین کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت میں کھڑا تھا۔

''میں نے تو پھر بھی ایک عورت کا لحاظ کیا، تم نے تو ایک عورت کو ہی گھر سے نکال دیا تھا۔ اور ہاں! کیا الفاظ استعمال کر رہے تھے تم اس رات؟۔۔۔'' اُس نے جیسے سوچنے کی کوشش کی، علی کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

''اپنے الفاظ یاد ہیں؟ جو تم پورے محلے کے سامنے اپنی بیوی کے لیے استعمال کر رہے تھے؟ یا میں یاد دلاؤں؟'' اُسکا تو دماغ ہی کام کرنا چھوڑ گیا تھا، پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اُسے دیکھ رہا تھا۔ آج بال رضا کے کورٹ میں تھی، وہ جیسے چاہے پھینک سکتا تھا۔ اور وہ یہی کر رہا تھا۔

''رضا! ہم بعد میں بات کریں گے۔ تم جاؤ ابھی'' اب کہ حسین نے اُسے چپ کروانا چاہا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ پھر دس سال پیچھے پہنچ گیا ہے۔ اُسی رات میں، جس رات وہ اپنے دوستوں کو جھگڑنے سے روک نہیں سکا تھا۔

''جا رہا ہوں حسین۔۔۔ جا ہی رہا ہوں'' علی کی آنکھوں میں نفرت سے دیکھتے جواب حسین کو دیا تھا۔ علی نہ نِگاہیں ہٹا پا رہا تھا نہ کچھ کہہ پا رہا تھا۔

''اپنے گناہوں پر پردہ ڈال کر علی سفیر ساری دنیا کے گناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ جیسے کہ باقی لوگ تو جانتے ہی نہیں وہ کتنے پارسا ہیں؟'' تمسخر اڑاتی ہنسی کے ساتھ حسین سے کہا۔ حسین نے ضبط کیا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے چپ ہو جانے کو کہا۔ یہ وہ رضا نہیں تھا جس سے وہ پناہ گاہ میں ملا تھا۔

بڑا کاری وار کیا تھا اُس نے۔۔۔ علی کا دل کیا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

''کیا میں نے اس روز تمہارے معاملے میں مداخلت کی؟ نہیں نہ؟ تو تم بھی میرے معاملات میں مخل مت ہو، پہلے اپنے اعمال درست کرو، پھر یہ نیکی کا چولا اوڑھنا'' نفرت سے علی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوا کہا اور سگریٹ منہ سے لگاتا رخ موڑ کے چلا گیا۔ علی بھی جھٹکے سے پلٹا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکل گیا، مزید وہاں رکتا تو دماغ پھٹ سکتا تھا۔

بیچ گلی میں کھڑا حسین دو سمتوں میں جاتے اپنے دونوں دوستوں کو دیکھ رہا تھا، یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ کس کے پیچھے جائے؟ کس کو اس وقت تسلی کی زیادہ ضرورت ہے؟

''رضا سے بعد میں بات کروں گا'' بلآخر ایک نتیجے پر پہنچ کر وہ علی کے پیچھے دوڑا تھا۔

---------+---------+--------

وہ نہا کر باہر آیا تو بشریٰ بچوں کو سلانے جا چکی تھی، آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ایک نظر اپنے بازو پر دکھائی دیتے زخم پر ڈالی۔ گولی کا زخم اب بھر چکا تھا۔ ڈاکٹر نے کچھ دوائیں اور مرہم دیئے تھے، جنکا استعمال وہ باقاعدگی سے کر رہا تھا۔ اپنی ذات سے لاپرواہی اپنی جگہ، لیکن صحت کا خیال وہ ہمیشہ رکھتا تھا۔ کیونکہ اُسکی صحت تھی تو ہی اُسکی نوکری برقرار رہ سکتی تھی۔

''نوید!۔۔۔''وہ آئینے کے سامنے ہی کھڑا تھا جب بشریٰ کمرے میں داخل ہوئی۔ جلدی سے آستینیں نیچے کیں، کہیں اُسکی نظر نہ پڑ جائے۔

''کیا ہوا؟''خود کو کمپوز کرتے پوچھا۔

''وحید بھائی آئے ہیں۔''اُس نے اطلاع دی۔

''کہاں؟''وہ حیران ہوا۔

''نیچے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔''اُس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے، تم سو جاؤ، میں جا کے ملتا ہوں اُن سے۔''اُس نے بشریٰ سے کہا۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ اُس نے سر ہلا دیا۔ جانتی تھی کہ جب وحید اکیلے آتا تھا تو اُسے نوید سے کوئی ضروری بات ہی کرنی ہوتی تھی۔ ایسے میں اُسے کسی قسم کی مہمان نوازی وقت بربادی کے سوا کچھ نہ لگتی۔ لہٰذا چائے پانی پوچھنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

وہ نیچے چلا آیا، سامنے ہی ڈرائنگ روم کے دروازے سے وہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھا نظر آ رہا تھا، چہرہ تنا ہوا تھا۔ نوید نے گہری سانس لیکر قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے، جانتا تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے۔

اُسے سلام کرتے اُسکے سامنے ہی صوفے پر جا بیٹھا، وحید نے اشارے سے جواب دیا۔ نوید سر جھکائے بیٹھا رہا اور وہ سخت نظروں سے اُسے دیکھتا رہا۔ جب کافی دیر اسی طرح گزر گئی، تو نوید نے سر اٹھا کر اُسے دیکھا۔ وہ اب تک اُسے ہی گھور رہا تھا۔

''اتنی بڑی بات نہیں تھی بھائی!''اُس نے وضاحت دینے والے انداز میں بات شروع کی۔

''اچھا؟''ایسے سر ہلایا جیسے کہہ رہا ہو، اوہ اچھا، مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اتنی بڑی بات نہیں ہے۔

''بھائی! میں سچ کہہ رہا ہوں، ایسا کچھ۔۔۔۔''وہ مزید کچھ کہنا چاہتا تھا۔

''بات بے شک بڑی نہ ہو۔ لیکن کیا میں اتنا بھی اہم نہیں کہ تم مجھے بتا دیتے؟''لہجہ سخت، انداز پُر شکوہ۔۔۔

''آپکو پتہ چل تو جاتا ہے۔''اُس نے آہستگی سے کہا۔

''اگر میرے اپنے تعلقات نہ ہوتے، یا میں آرمی میں نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ مجھے بھی پتہ نہ چلتا۔ اوپر سے نیوز چینل پر خبر بھی کچھ لمحوں کے لیے آئی اور اُسکے بعد غائب ہو گئی۔ خبر بھی چھپا دی تم لوگوں نے؟''وہ ناراض ہوا۔

''بس بازو پر ہی گولی لگی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ پریشان ہوں۔'' اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم خود کو ہم سے اتنا دور کیوں کر رہے ہو نوید؟'' بلآخر اُس نے تھک کر پوچھا۔ بچپن کے شکوے بچپن میں ہی ختم ہو گئے تھے۔ نہ اب وہ بچپن والا وحید تھا، جو ہر وقت اُس پر حکم چلاتا تھا، نہ اب وہ وہی نوید تھا جو اُس سے نالاں رہتا تھا۔ بہت کچھ وقت کے ساتھ بدل گیا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے۔'' مختصر جواب دیا۔

''کم از کم مجھے تو بتا سکتے تھے۔ مجھے اپنے بھائی کے بارے میں ہمیشہ دوسروں سے پتہ چلتا ہے۔'' اُس نے تاسف سے کہا۔

''اگلی بار بتا دوں گا۔''

''شٹ اپ!'' اُس نے دہل کر کہا، تو وہ مسکرا دیا۔ وحید کے چہرے پر خفگی صاف ظاہر تھی۔

''پچھلی بار تم اغوا ہو گئے تھے اور مجھے تمہارے بازیاب ہونے کے بعد یہ خبر ملی۔ کیوں کرتے ہو اس طرح؟'' وہ بے بس ہو گیا تھا جیسے۔۔۔

''کہہ تو رہا ہوں کہ صرف پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے نہیں بتایا۔'' اس بار وحید نے کچھ نہیں کہا۔ بس خفگی سے اُسے دیکھتا ہی رہا جبکہ وہ سر جھکائے قالین پر پیر رگڑ رہا تھا۔

''بشریٰ کیسی ہے؟'' کافی دیر بعد استسفار کیا گیا، تو اُس نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔

''کوئی تبدیلی آئی اُسکی حالت میں؟'' مزید پوچھا۔

''ہاں! قبرستان نہیں گئی، کافی دنوں سے۔۔۔ گھر پر توجہ دے رہی ہے۔ مختلف کاموں میں مصروف رہتی ہے۔'' تفصیلاً بتایا۔

''یہ اچھی تبدیلی ہے ویسے۔''

''ہاں! آخری بار اُسکی حالت بگڑ گئی تھی کافی، مجھے لگا تھا کہ ٹھیک ہونے میں وقت لگے گا۔ لیکن بہت بہتری آئی ہے اُس رات کے بعد''

''ہمم۔۔۔'' وحید نے سر ہلایا پھر دروازے کی طرف محتاط انداز میں دیکھتا ذرا آگے کی طرف ہوا۔

''اسکو کچھ یاد آیا؟'' آہستہ سے پوچھا۔ اُس نے ایک نظر دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلاتے چہرہ جھکا دیا۔

''ان شاءاللہ! بہت جلد اُسے سب یاد آئیگا''

''آجائیگا بھائی! ضرور یاد آجائیگا لیکن۔۔۔'' کرب سے کہتے اُس نے سر اٹھایا۔

''جس دن اسکو سب یاد آئیگا، اُس دن میرا کیا ہو گا؟'' پہلی بار وحید نے اُسکی آنکھوں میں خوف دیکھا۔ اُسکا دل کٹا۔

''کچھ نہیں ہو گا، پہلے تو تم خود کو قصوروار ٹھہرانا چھوڑ دو۔ کیونکہ جب تم خود ہی اپنے آپ کو قصوروار سمجھو گے، تو اُسکے سامنے اپنا دفاع کیسے کرو گے؟ جو بھی ہوا نوید! اُس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تمہارا ہرگز۔ ہرگز کوئی قصور نہیں تھا۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے اُسے باور کروایا۔

''مجھے نہیں معلوم کیا ہو گا؟ لیکن میں خود کو آنے والے وقت کے لیے تیار نہیں کر پا رہا۔'' وہ بے بسی سے بولا تھا۔

''تو تیار کرو خود کو، اگر ابھی سے ہار تسلیم کر کے بیٹھ جاؤ گے تو خسارہ صرف تمہارے حصے میں آئیگا۔''

''پہلے کیا کم خسارے ہیں میرے حصے میں؟'' تلخی سے کہا۔ وحید گہرا سانس لے کر رہ گیا۔ دوبارہ اُس نے کچھ نہیں پوچھا، نہ نوید نے کچھ کہا۔ دونوں کے بیچ کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔

''میں دو دن کے لیے آیا ہوں۔ پرسوں واپسی ہے۔ جانے سے پہلے تم سے مل کر جاؤں گا۔'' اُس نے بتایا۔

''ایسے وقت پر آنا جب میں ڈیوٹی پر نہ ہوں۔''

''میں تمہاری ڈیوٹی پر بھی تم سے ملنے آ سکتا ہوں۔'' جتایا گیا تو وہ ہلکے سے ہنسا۔

''تمہارا زخم کیسا ہے اب؟''

''بہت بہتر ہے۔''

''دکھاؤ مجھے۔۔۔'' اُٹھ کر اُسکے پاس آیا۔

''کہہ تو رہا ہوں کہ بہتر ہے۔'' اُس نے کوفت سے کہا۔

''تمہاری کسی بات کا بھروسہ نہیں ہے مجھے۔'' وحید نے گھورتے ہوئے کہا اور اُسکے برابر آ بیٹھا۔

''اب آپ ہی بھروسہ نہیں کر رہے مجھ پر تو بشریٰ کیا کریگی؟''

''میرے سامنے مت جھاڑا کرو یہ ڈائیلاگ۔'' یہ تو طے تھا کہ اُس پر نوید کی بات کا کوئی اثر نہیں ہونے والا تھا۔ اب وہ اُسکے بازو کا زخم دیکھ رہا تھا، جہاں کچھ دنوں پہلے ہی گولی لگی تھی۔ نوید بیزار سا بیٹھا تھا لیکن اُسکو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

نہ اب باپ سر پہ تھا، نہ ماں دیکھنے کے لیے وہاں تھیں۔ لیکن پتہ نہیں کیوں؟ نوید آج بھی اپنے بھائی کے حکم کے آگے کچھ بول نہیں پاتا تھا۔ اب تو کسی بات کا خوف نہیں تھا؟ اب کیوں؟ اس سوال کا جواب خود نوید بھی نہیں ڈھونڈ پایا تھا۔

---------+---------+--------

کسی نہ کسی طرح حسین نے علی کو اپنے ساتھ لے جانے پر راضی کر لیا تھا۔ اُسکا بخار بڑھ چکا تھا، چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ ضبط کیے خاموش بیٹھا رہا۔ پورے راستے حسین سے اُسکی کوئی بات نہ ہوئی۔ پچھلی دو ملاقاتوں میں اُسے ایک بات تو سمجھ آگئی تھی کہ علی اور رضا کے درمیان معاملات عام نوعیت کے نہیں تھے، اُنکے معاملات ٹھیک ٹھاک بگڑے ہوئے تھے۔

خلا، فاصلے، دیوار۔۔۔ یہ سب تو بہت چھوٹے الفاظ تھے۔ اُنکے درمیان تو کوئی تعلق ہی باقی نہ رہا تھا۔ واپسی کی منزل اُن دونوں کے لیے تو ہرگز نہ تھی، واپسی کی پہلی سیڑھی تو کیا، وہ تو اُسکے آس پاس بھی نظر نہ آ رہے تھے۔

اُسکے گھر کے سامنے گاڑی روکی، اور چہرہ گھما کر اُسکی طرف دیکھا۔

''کیا میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟''

''کیا پوچھو گے تم؟ یہی کہ جو رضا کہہ رہا تھا کیا وہ سچ ہے؟ مت پوچھو مجھ سے کچھ بھی، جو کچھ رضا نے کہا ہے اُسے مان لو۔ میں واقعی بہت ظالم، بے حس اور سنگدل انسان ہوں۔'' سنجیدگی سے اُسکی آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔

''میں نے کہا، کیا میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟'' اُس نے بھی لفظ کہہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ علی خاموش رہا۔

''میں نہیں جانتا کہ تمہارے اور رضا کے درمیان جو بات ہوئی وہ کس حوالے سے تھی؟ مجھے کسی ایک بات کا مطلب اور مفہوم سمجھ نہیں آیا۔ لیکن جو مجھے سمجھ آیا وہ یہ کہ رضا تمہیں کچھ سمجھانا چاہتا تھا۔ جو وہ تمہیں سمجھانا چاہتا تھا اُسے سمجھو۔'' حسین کی بات پر اُس نے سوالیہ انداز میں اُسے دیکھا۔

''یعنی۔۔۔ ضروری نہیں کہ ہمیں جو غلط نظر آ رہا ہو وہ غلط ہی ہو، کبھی کبھار معاملے کی تہہ تک پہنچا جاتا ہے۔ تم نے رضا کو جو کرتے دیکھا، ٹھیک ہے کہ وہ غلط تھا۔ لیکن علی! تمہیں نہیں لگتا کہ پہلے ہمیں اُس سے پوچھنا چاہئے تھا کہ اُس نے ایسا کیوں کیا؟ مسئلہ یہ ہے کہ ہم غلط کرتے ہیں تو اپنی غلطی کے ہزار جواز ڈھونڈ لیتے ہیں، لیکن دوسرے کو ایسا کوئی مارجن نہیں دیتے۔ ہمارے ہر عمل کی ہمارے پاس کوئی نہ کوئی توجیہہ ہوتی ہے۔ لیکن دوسروں کو ہم ہر حال میں گنہگار ہی سمجھتے ہیں۔'' اُس نے آدھے ادھورے لفظوں میں مکمل اور جامع بات سمجھائی تھی۔

''اللہ حافظ!'' علی نے بس اتنا ہی کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ حسین نے بھی سر کے اشارے سے جواب دیا اور گاڑی آگے بڑھا دی۔

علی خاموشی سے اندر چلا آیا۔ سفیر صاحب آج بھی پریشان سے اُسکے منتظر تھے اور وہ آج بھی اُنہیں یکسر نظر انداز کرتا اپنے کمرے میں آکر بند ہو گیا تھا۔

بخار ایک بار پھر بڑھ گیا تھا، پورا بدن درد کر رہا تھا۔ پاس رکھے کاؤچ پر گرنے کے سے انداز میں ڈھے گیا۔

اپنے گناہوں پر پردہ ڈال کر علی سفیر ساری دنیا کے گناہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ جیسے کہ باقی لوگ تو جانتے ہی نہیں وہ کتنے پارسا ہیں؟

رضا کا تمسخر اڑاتا لہجہ کانوں میں گونجا تو کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

تم ہی بتاؤ کہ آخر اور کیا تعلق ہے تمہارا اُس سے؟ جس تعلق کی قیمت تم ہم سے مانگ رہے ہو؟

کچھ سالوں پہلے بھی تو رضا نے ایسے ہی اُسکی ذات پر الزام لگایا تھا۔ تو کیا میں اُس سے اسی الزام کا انتقام لے رہا ہوں؟ یکدم ہی آنکھیں کھول دیں۔ کیا واقعی وہ رضا سے انتقام لینا چاہتا تھا؟ کیا سچ میں اُسکے الفاظ اُسے ہی واپس لٹانا چاہتا تھا؟ کیا وہ بار بار موقع ڈھونڈھتا تھا؟ خود احتسابی کا کڑا وقت اُس پر اچانک آیا تھا۔

تم سوچو تکلیف کی وہ کونسی انتہا ہو گی جس میں اُس نے، اس قبیح شے کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا ہو گا؟ سب کے حصے کی کوئی نہ کوئی کہانی ہے علی۔۔

عمر نے بھی تو یہی کہا تھا جو آج حسین اُسے سمجھا کر گیا تھا۔ وہ عمر کی بات کیوں بھول گیا؟ کیوں؟ کیوں رضا کو سامنے دیکھتے ہی اُسکے اندر انتقام کا لاوا اُبلنے لگتا تھا؟ اور وہ اُنکی سمجھائی ہوئی ہر بات بھولنے لگتا تھا؟

تم نے اتنے لوگوں کے سامنے اُسکی عزت نفس پر حملہ کیا۔ کیا تم دوست ہونے کے ناطے ہی اُسکا پردہ نہیں رکھ سکتے تھے؟

علی نے سر تھام لیا۔ اگر وہ سچ میں غلط کو غلط کہنا چاہتا تھا تو اس نے رضا کی نشہ کرنے والی بات کا ذکر کیوں کیا؟ اور سب کے سامنے ہی کیوں؟ کیونکہ بدلہ بھی تو سود سمیت لینا تھا۔

اگر فاطمہ کو دس غیر مردوں کے سامنے گھر سے باہر نکال کر بھی وہ شرمندہ نہ تھا تو رضا کا اپنے ماموں کو گھر سے باہر نکالنا اُسکو برا کیوں لگا؟ اگر وہ اپنے آپ کو صحیح قرار دے سکتا تھا تو پھر رضا بھی صحیح تھا۔ وہ اپنی سابقہ بیوی کو گالیاں دے سکتا تھا، اُسکی تذلیل کر سکتا تھا کیونکہ اس نے اُس کے ساتھ بہت برا کیا۔ تو پھر رضا کا اپنے ماموں سے بدلہ لینا اسکو برا کیوں لگا؟ وہ نوید کے کردار پر کیچڑ اچھال کر بھول بیٹھا تو رضا کے خود پر لگائے گئے الزام کیوں بھول نہیں سکا تھا؟ ہر ہر زاویے سے اپنا آپ ہی غلط نظر آیا تھا۔

باوجود اسکے کہ اپنی آخری غلطی کے بعد سب کی نظروں میں برا وہی بنا تھا، لیکن نہ عمر نے اس سے منہ پھیرا تھا نہ حسین نے اُسے چھوڑا تھا۔

اُسے کیا ہو گیا تھا؟ کیا بن گیا تھا وہ؟ کیوں وہ کسی کے کیے کا بدلہ کسی اور سے لے رہا تھا؟

اپنا جائزہ لینا مشکل ہو گیا۔اپنی اصل شخصیت تو وہ کہیں گم کر بیٹھا تھا۔دوسروں کی دی گئی نفرتیں سہتے سہتے اپنی خوش اخلاقی کھو چکا تھا۔لیکن اب اُسے نفرتوں کے درمیان میں چھپی اپنی اصلی شخصیت واپس لانی تھی۔

اور اسکے لیے اُس نے ایک فیصلہ کیا تھا۔ایک ایسا فیصلہ جسکی قیمت اُسکی انا اور عزت نفس کی قربانی تھی۔

---------+---------+--------

''آج شام مجھے کچھ کام ہے۔اسی لیے دوپہر کا وقت چنا ہے۔''مال میں اُسکے ساتھ چلتے مقدّم نے وضاحت دی۔

''کوئی بات نہیں! میں نے کونسا اپنی شاپنگ کرنی ہے؟بس مکرم کی خریداری کر کے سیدھا گھر واپس۔۔۔ویسے بھی رات میں فنکشن ہے۔''وہ دکان پر ٹنگی بچوں کی شیروانی دیکھنے لگی۔مقدّم خاموشی سے کھڑا رہا۔

''یہ والی اچھی ہے نا؟''ایک کالے رنگ کی شیروانی اٹھا کے اُسے دکھائی تو مکرم خوشی سے مقدّم کی گود میں ہی اچھلنے لگا۔

''اب جب چھوٹو نے اوکے کر دیا ہے تو یہی والا فائنل کر دیتے ہیں''خود ہی جواب بھی دیا۔مقدّم اب تک خاموش تھا۔پھر اُسکے لیے ایک تھری پیس سوٹ پسند کیا اور آخر میں جب کلمے کی جانب بڑھی تو اُسے جیسے ہوش آیا۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟''وہ چیخ پڑا۔

''کیا کر رہی ہوں؟''اُس نے اچھنبے سے پوچھا۔

''یہ فضول کا بوجھ ہے،بیچارہ اتنا سا بچہ ہے نہیں پہن سکے گا اسے۔''

''تو تھوڑی دیر کے لیے پہناؤں گی۔''

''تھوڑی دیر کے لیے بھی کیا ضرورت ہے؟'' اُسے کوفت ہو رہی تھی بچوں کا یہ کلاہ دیکھ کے۔

''میری بات سنو! تم یہاں صرف نانی کی مرضی سے آئے ہو،شاپنگ میری مرضی سے ہو گی۔''جتاتے ہوئے کاؤنٹر کی طرف مڑ گئی۔وہ خاموشی سے گیٹ سے ٹیک لگائے کھڑا ہو گیا۔

''بل لا دیں۔''ریسیپشن پر کھڑے لڑکے سے کہا۔

''بل پے ہو چکا ہے میم۔''

''کس نے پے کیا؟'' حیرت سے سوال کیا اور اگلے ہی لمحے جھٹکے سے مڑی اور اسے دیکھا۔ اُس نے کندھے اچکائے اور دروازہ کھولتے باہر نکل گیا۔

''آپ یہ کریڈٹ کارڈ رکھ لیں۔'' لڑکے نے مقدّم کا کارڈ اُسے پکڑایا، وہ جلدی سے سامان اٹھاتی اُسکے پیچھے پیچھے آئی۔

''یہ کیا بد تمیزی ہے بھلا؟ میں تمہیں اس لیے ساتھ نہیں لائی تھی کہ بل تم بھرو۔'' اُسکے ساتھ چلتے خفگی سے کہا۔

''اپنی خریداری کرتی تو کبھی بھی نہ بھرتا۔ مکرم میری ذمے داری ہے۔'' سنجیدگی سے کہا۔

''تم کیوں بھول جاتے ہو کہ میں بھی اُسکی خالہ ہوں؟ میرا بھی حق ہے۔'' اُسے برا لگا تھا۔

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ میرے ہوتے مکرم کے اخراجات میں کوئی اور حصّہ ڈالے۔'' اس بار جواباً وہ خاموش رہی۔ مقدّم بھی خاموشی سے ساتھ چلتا رہا۔ اُنکا رخ مال کے خارجی راستے کی طرف تھا۔

''تم آج کل اتنے سنجیدہ کیوں رہنے لگے ہو؟'' بڑا غیر متوقع سوال تھا، زیادہ دیر خاموش بھی تو نہیں رہ سکتی تھی۔

''تم نے مجھے غیر سنجیدہ کب دیکھا؟'' وہ حیران ہوا۔

''اتنا سنجیدہ بھی نہیں دیکھا۔'' اپنی بات پر قائم رہی۔

''میں تمہاری بات نہیں سمجھا۔''

''میں دیکھ رہی ہوں جب سے ماموں کی شادی کی بات ہوئی ہے، تب سے تم تھوڑے سنجیدہ اور پریشان ہو۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔

''اچھا! تو پھر کیا بات ہے؟ اُس خون والی بات پر تو پریشان نہیں ہو؟'' اچانک ہی جیسے کچھ یاد آنے پر اُسکی جانب مڑی۔ ''اُس دن کچھ ہوا تھا نا؟ مجھے پہلے سے ہی معلوم تھا۔'' ریلنگ کے پاس رکتے ہوئے کمر پر ہاتھ رکھتے کہا۔

''ناٹ اگین! (دوبارہ نہیں) میں نے بتایا تو تھا کہ بکری کا بچہ آگے آگیا تھا۔'' وہ بھی بیزاری سے رک گیا۔

''بکری کا بچہ؟'' بھنویں اٹھا کر اُسے دیکھا ''تم نے اس دن بلی کا بچہ کہا تھا'' انداز ایسا تھا کہ دیکھا پکڑے گئے نا؟ وہ گڑبڑایا۔

''میرا مطلب وہی تھا۔'' وضاحت دی۔

''جھوٹ۔۔۔'' وہ ماننے کو تیار نہ تھی۔

''اوکے''اُس نے سر ہلایااور اُسکی آنکھوں میں دیکھا۔

''ایک خطرناک گینگ میرے پیچھے ہے،اُس نے کرائے کا قاتل ہائر کیا ہے تاکہ مجھے سال کے چھٹے مہینے قتل کر سکے،اُسی سلسلے میں ایف آئے آفس گیا ہوا تھا کہ ہم پر کچھ شر پسند عناصر نے حملہ کر دیا۔ہر طرف سے گولیاں چلیں اور اُس میں ایک ایس ایس پی زخمی ہو گیا،کیونکہ وہ میرے ساتھ ہی تھااس لیے مجھ پر بھی خون کے چھینٹے آئے تھے۔''وہ سنجیدہ تھا،بے حد سنجیدہ۔۔۔

''بلی کا بچہ ہی ہو گا''وہ بھی سنجیدہ تھی۔مقدّم ہنس پڑا۔اُس نے **ہونہہ** کر کے قدم آگے بڑھا دیئے تو وہ ہنستا ہوا اُسکے پیچھے آیا۔

''تم میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتی؟''

''اب کر لیا۔''اس سے پہلے وہ کوئی جواب دیتا مکرم اُسکی گود سے مقدّس کے پاس جانے کے لیے مچلنے لگا۔اُس نے مکرم کو اُسکے حوالے کیا اور شاپنگ بیگ اُسکے ہاتھ سے لے لیے۔

''تم نے اپنے لیے کچھ نہیں لینا؟''

''لینا ہے،لیکن تمہارے ساتھ نہیں۔''لٹھ مار انداز میں کہا۔

''تو میں کونسا تمہاری پیمنٹ کر رہا ہوں؟''بے نیازی سے پوچھا۔

''مجھے نہیں پسند کے اپنے ذاتی کام کے لیے کسی کا وقت لوں۔''اُسی کے انداز میں جواب دیتی وہ مال سے باہر آ گئی۔ اب کہ وہ خاموش رہا۔گاڑی نکالتے اور گھر کے راستے پر ڈالتے بھی خاموشی رہی۔

''تمہاری فرم کا نام کیا ہے ویسے؟''اُس نے پوچھا۔ظاہر ہے زیادہ دیر خاموش رہنے جیسا مشکل کام کیسے کر سکتی تھی؟

''فیئر مارک۔''مختصر جواب دیا۔

''اور تمہارے علاوہ کتنے سی ای او ہیں؟''

''اخلاق ہے،لیکن فلحال کمپنی کے معاملات نہیں دیکھ رہا''

''اوہ!۔۔اخلاق بھائی یہاں کیوں نہیں آتے؟میرا مطلب تمہارے ساتھ کام کیوں نہیں کرتے؟''

''اخلاق کی مرضی۔۔''وہ ڈرائیونگ پر دھیان رکھنا چاہتا تھا۔

''اُنہوں نے کیا پڑھائی کی ہے؟''

''مقدّس۔۔۔''

''ہاں؟''

''تمہارے پاس صرف ایک سوال کی گنجائش بچی ہے۔''اُسکا منہ کھلا، پھر سمجھ آنے پر لب بھینچے اور باہر دیکھنے لگی۔اُس نے سکھ کا سانس لیا۔ چلو اب چپ تو رہے گی۔ لیکن یہ اُسکی بھول تھی۔

''اچھا آخری سوال، اُسکے بعد کچھ نہیں بولوں گی۔'' بے چینی سے اُسکی طرف مڑی تو اُس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''پوچھو!''

''تم ماموں کی شادی پر مدعو ہونے پر پریشان ہو نہ؟''اس سوال پر وہ حیران ہوا پر بولا کچھ نہیں۔

''دیکھو! میں جانتی ہوں کہ تم نہیں آنا چاہتے لیکن مقدّم! تم اس طرح سارے خاندان سے کٹ نہیں سکتے۔''وہ کیسے جان گئی تھی بھلا؟

''مجھے اپنی فکر نہیں ہے، میں مکرم کو اُن لوگوں کے سامنے نہیں لانا چاہتا۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا بچہ خاندان والوں کی وجہ سے پریشان ہو۔''

''اُسکی فکر تم نہ کرو، شادی اپنی جگہ ذمّے داری اپنی جگہ۔''اُس نے مسئلے کا حل پیش کیا۔اُس نے گہری سانس لیکر گاڑی روک دی۔گھر آ گیا تھا اُسکا۔۔۔

''خاندان میں میرے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں، کیا وہ سنی نہیں ہیں تم نے؟''اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''نہیں! اور میں سننا بھی نہیں چاہتی۔''پر اعتماد لہجے میں کہتی وہ اُسے حیران کر گئی۔

''تم بھلے نہیں سننا چاہتی لیکن لوگ کہیں گے۔اور میں نہیں چاہتا کہ میرے بیٹے تک یہ باتیں پہنچے۔''

''یہ ابھی بہت چھوٹا ہے اور میں۔۔۔''

''مقدّس پلیز۔۔۔''ہاتھ اٹھا کر اُسکی بات کاٹی۔''میں نے کہہ دیا کہ میں نہیں آنا چاہتا تو اب بات کو یہیں ختم کرو۔''وہ خاموش ہوئی۔آج رات اُسکے ماموں کی مایوں تھی۔

''ٹھیک ہے! میں تمہیں فورس نہیں کروں گی۔ لیکن ایک بار سوچنا ضرور کہ اس طرح اُن سے چھپ کر تم اُنکی باتوں کو سچ ثابت کر رہے ہو۔''سنجیدگی سے کہہ کر وہ اُسکا جواب سننے کے لئے رکی نہیں تھی۔ دروازہ کھول کر شاپنگ بیگ باہر نکالتے اور مکرم کو گود میں لیکر اندر کی طرف بڑھتے اُسے یقین تھا کہ مقدّم اُسکی بات سمجھ جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا، وہ اُسکے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہی وہاں سے چلا گیا۔

''مقدّم نہیں آیا؟''ماموں نے اُسے اندر آتا دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ماموں! اُسے ضروری کام ہے کچھ، رات کو ایونٹ پر بھی نہ آئے شاید۔''

''اچھا! چلو کوئی بات نہیں۔ شادی پر تو آئے گا نہ؟''اُنہوں نے پوچھا۔

''معلوم نہیں!۔''کندھے اُچکاتے ہوئے اندر چلی گئی۔

شام ہوئی تو تیاریاں عروج پر پہنچ گئی۔ دونوں گھروں کو دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ مکرم کو تیار کرنے کے بعد چوڑیاں پہنتے ہوئے اُسکی نظریں بار بار موبائل کی جانب اٹھتی تھی۔ اُمید تھی کہ شاید اُسکا کوئی میسیج آئے۔ حتیٰ کہ ہال جانے کا وقت ہو گیا، فنکشن میں پہنچ کر بھی نگاہیں بھٹک بھٹک کر دروازے کی طرف جاتیں لیکن اُسے نہ آنا تھا وہ نہ آیا۔

''یہ شیریں کی بہن ہے ن وہ بوفے کے پاس کھڑی، گود میں مکرم کو لیے دوسرے ہاتھ سے ڈسپنسر سے اپنے لئے گلاس میں پانی نکال رہی تھی کہ کانوں میں کسی عورت کی سرگوشی نما آواز آئی۔ اُس نے اپنا رخ نہیں پھیرا۔

''ہاں! ہے تو وہی لیکن گود میں کس کا بچہ ہے؟''دوسری عورت نے پوچھا۔

''تمہیں نہیں معلوم؟ عبیر کا بیٹا ہے یہ۔۔''پہلی عورت نے جواب دیا۔

''عبیر کا وہی بیٹا جسے شفیق بھائی کے بیٹے مقدّم نے گود لیا ہے؟''دوسری عورت کی آواز میں حیرت تھی۔ مقدّس کی اُنکی جانب پیٹھ تھی، لیکن دھیان اُنکی باتوں پر ہی تھا۔

''شفیق بھائی کا بیٹا تو سنا تھا نفسیاتی ہو گیا تھا، پھر ایک بچے کو بھلا کیسے پال رہا ہے؟''ایک اور عورت نے پر تجسس انداز میں پوچھا۔ مقدّس کا خون کھولا۔

''کیا واقعی؟''

''ہاں ہاں! ذہنی مریض تھا، شفیق بھائی اور بھابھی تو اسکے غم میں ہی دنیا سے چلے گئے تھے۔ جب پاگل پن کے دورے پڑتے تھے تو چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینکتا تھا، چیختا چلاتا تھا۔ میں اتفاقاً ایک بار چلی گئی تھی بھابھی سے ملنے، کیا بتاؤں آپا، کیسے وحشیوں کی طرح کر رہا تھا؟ میں تو اُسکی شکل دیکھ کر ہی ڈر گئی تھی۔'' عورت نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

''برا مت ماننا! لیکن مجھے تو پاگل پن سے زیادہ آسیب واسیب کا معاملہ لگتا ہے۔ میں نے بھی دیکھا تھا ایک بار، شفیق بھائی کے سوئم میں اُس پر باقاعدہ حاضری آئی تھی۔ آنکھیں لال انگارہ ہو گئی تھیں۔ میں نے تو تب بھی کہا تھا کہ اسکو کسی پیر فقیر کو دکھاؤ لیکن اُسکا وہ سوتیلا بھائی ہے ناں اخلاق؟ اُس نے منع کر دیا۔'' مقدّس سے مزید کھڑے رہنا محال ہو گیا تو مکرم کو لیکر برائیڈل روم میں آ گئی۔ اُسے شدید غصّہ آ رہا تھا لیکن اس وقت وہ کچھ کر بھی نہ سکتی تھی۔

''اچھا ہوا مقدّم نہیں آیا، اور اُسے آگے بھی نہیں آنا چاہیے۔'' دل میں سوچا۔ اب اُسے مقدّم کے نہ آنے کی وجہ سمجھ آ رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں یہ خاندان والے اُسکا پیچھا چھوڑنے پر راضی نہ تھے؟

---------+---------+--------

''تو تمام باتوں کا ماخذ یہ۔۔۔۔ کہ خلیل مر چکا ہے۔ یعنی! ہمارے ایک ایک قدم پر نظر رکھی جا رہی ہے۔ ہم سے پہلے ہی وہ قاتل خلیل تک پہنچ گیا۔ بظاہر تو اُسکی موت گھر میں ہی پاؤں پھسل کر گرنے اور سر پھٹنے سے فوری طور پر واقع ہوئی ہے۔ لیکن ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے۔'' شیراز سکرین کے پاس کھڑا بریفنگ دے رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح کمرے میں آج بھی خاموشی تھی۔

''جسے آپکے ہر قدم کی اطلاع ہے، وہ ہمیں نقصان کیوں نہیں پہنچا رہا؟'' سوال معقول تھا اور مقدّم کی جانب سے آیا تھا۔

''گیم!۔۔۔'' فرّخ صاحب نے جواب دیا۔ ''وہ ہمارے ساتھ کھیلنا چاہتا ہے۔ ہمیں اس طرح اُلجھا کر وہ اس کھیل کو انجوائے کر رہا ہے۔''

''اب کیا کریں گے آپ؟'' حسین نے پوچھا۔ سب ہی گفتگو میں حصہ لے رہے تھے۔ سوائے علی اور رضا کے۔۔۔

وجہ یہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے برابر میں بیٹھے تھے۔ رضا کو آنے میں دیر ہو گئی تھی، جب تک وہ پہنچا تو ایک ہی نشست خالی بچی تھی اور وہ بھی علی کے برابر میں۔ کتنی دیر تو وہ شش و پنج میں کھڑا رہا، پھر بلآخر وہیں بیٹھ گیا۔ اب دونوں ہی خاموش تھے۔ رضا کے تاثرات ہمیشہ کی طرح بے نیاز اور سپاٹ تھے۔ البتہ علی آج کسی گہری سوچ میں تھا۔ اُسکی صحت میں واضح تبدیلی نظر آ رہی تھی، چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھوں کے نیچے ہلکے گہرے ہو چکے تھے۔

''ایک آخری کوشش۔۔۔ مائیکل تک پہنچنے کی، اگر وہ ہاتھ نہ آیا تو پھر ہمارے پاس ایک پلان بی ہے۔ کسی بھی ناگزیر صورتحال میں اس منصوبے پر عمل کیا جائیگا۔ لیکن فلحال یہ منصوبہ اِس وقت کی ضرورت نہیں ہے۔'' فرّخ صاحب نے تفصیلاً بتایا۔ کچھ دیر تک وہ مزید بریفنگ دیتے رہے۔ پھر میٹنگ برخاست

ہوئی تو وہ اور شیراز کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ لوگ بھی باری باری کھڑے ہونے لگے۔ اُنکے انداز میں آج نہ تیزی تھی، نہ پہلے کی طرح کسی کو بھی وہاں سے فرار ہونے کی جلدی تھی۔

رضا اٹھا، کرسی پیچھے دھکیلی اور مڑا تاکہ باہر جا سکے۔ اور اُسی لمحے کچھ ایسا ہوا جو آنے والے دنوں کا فیصلہ کرنے والا تھا۔

''رضا!۔۔۔'' علی نے بیٹھے بیٹھے پکارا۔ جو جہاں تھا وہیں رکا رہ گیا۔ رضا کے قدم تھمے، نوید نے حیرت سے دیکھا، حسین نے آنکھیں میچیں، مزید کوئی جھگڑا نہیں پلیز!۔۔۔۔

رضا پلٹا اور علی اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو اب کیا باقی رہتا ہے؟

علی نے اُسے دیکھا، مشکل مرحلہ تھا یہ۔ ایک لفظ معافی۔۔۔

فقط ایک لفظ۔۔۔ معافی۔۔۔

دنیا کا مشکل ترین کام۔۔۔

زبان سے ادا ہونے میں انسان کی پوری قوت کا تقاضا تھا۔

انا کا سودا۔۔۔

عزت نفس کی قربانی۔۔۔

لیکن بے حد مشکل تھی یہ اعلیٰ ظرفی۔۔۔۔

''میں نے اس دن جو بھی کیا۔۔۔'' وہ رکا۔ منتظر سماعتیں بے چین ہوئیں ''میں اُسکے لیے تم سے معافی چاہتا ہوں۔ جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میری غلطی تھی۔'' الفاظ ادا ہو گئے۔ سماعتیں بے یقین ہو گئیں۔ اُس نے معافی مانگ لی، انا قربان کر دی۔ سودا گھاٹے کا تھا، فائدہ چاہتا بھی کون تھا؟

اپنی بات مکمل کر کے سنجیدگی سے خود کو دیکھتے رضا کو دیکھا۔ اگر جو اُس نے پوچھ لیا کہ کس دن کے لیے معافی مانگ رہے ہو؟ اُس روز والے واقعے کے لیے یا کل والے؟ اور کل کا ذکر نکلا تو ذکر تو علی کے گھر تک جائیگا، اور آج رضا کی جگہ وہ خود، بیچ چوراہے میں ذلیل ہو جائیگا۔

''کس بات کی معافی؟'' اُس نے پوچھا۔ علی کا دل رکا ''مجھ سے سوال کرنے کی؟ یا میرا ماضی اُدھیڑنے کی؟'' اُس نے کل کا ذکر نہیں کیا۔ دونوں ہاتھوں کو پیچھے باندھے وہ سنجیدگی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے علی کو ذلیل نہیں کیا۔

''تمہارا اُس مجرم سے تعلق جس بنا پر تھا۔'' پھر رکا، وضاحت دینا مشکل ہو گئی جیسے۔ ''بس! اُس کا ذکر کیا تھا میں نے۔ لیکن۔۔۔ شاید میرا طریقہ غلط تھا۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ آج اُسکے انداز میں نہ وہ جارحیت تھی نہ وہ غصّہ، وہ تھک گیا ہو جیسے، باقی سب سانس روکے دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''تم سوال کر سکتے تھے، میں جواب دہ نہیں تھا پھر بھی جواب دے دیتا۔ تمہارا ایک قرض تھا۔'' علی کی آنکھوں میں حیرت اُتری۔ بھلا کون سا قرض؟

''جو میں نے کیا تھا تمہارے ساتھ، اُسکا بدلہ مجھے کبھی نہ کبھی ادا کرنا ہی تھا لیکن۔۔۔'' بات دس سال پیچھے چلی گئی۔ صحیح کہا تھا حسین نے، بات جب بھی ہو گی وہیں سے ہو گی جہاں پر رکی تھی۔

''لیکن تمہیں کوئی حق نہ تھا کہ تم مجھ سے میرے ماضی کے بارے میں سوال کرتے، تمہیں کوئی حق نہ تھا کہ تم جو بات جان گئے تھا اُسکا اشتہار اسطرح لگاتے۔'' اُسکا لہجہ سخت ہوا۔

''ہاں! میں کرتا تھا نشہ۔۔۔ لیتا تھا میں ڈر گز۔'' آواز اُسکی بلند تھی، لیکن لہجے میں زمانوں کے دکھ پنہاں تھے۔ آج سب چپ تھے اور وہ بول رہا تھا۔ وہ جو ہر ملاقات میں خود پر خاموشی کا خول چڑھائے رکھتا تھا جیسے کہ وہ گونگا ہو۔

''لیکن اُسکے لیے میں تمہیں یا کسی کو بھی جواب دہ نہیں ہوں۔ میں نے کسی کا نقصان نہیں کیا لیکن صرف اپنا۔۔۔ میں نے جو کیا اپنے ساتھ کیا، میں نے برباد کیا تو خود کو۔۔۔ اور اُسکے لیے نہ کوئی ذمے دار ہے اور نہ میں کسی کو جواب دہ۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے، وہ کچھ نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ گیا۔ علی ساکت سا اُسے دیکھ رہا تھا۔

وہ مزید وہاں نہیں رکا، کسی کو دیکھنے کے لیے نہیں رکا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا۔ اُنکے چہروں کو کوئی دیکھ لیتا تو اس جگہ کو میت گاہ تصور کر لیتا۔ وہ کیا کہہ کر گیا تھا؟ کچھ نہ بتاتے ہوئے بھی سب بتا کر گیا تھا۔ اُس نے خود کو برباد کیا، پر کس لیے؟ اُس نے اپنا نقصان کیا بھی تو کیوں؟ وہ ایسا نہیں تھا۔۔۔ پر ایسا ہو گیا تھا۔ کیوں؟ ہزاروں **کیوں** تھے اُنکے پاس۔۔ جواب ایک کا بھی نہیں۔

کوئی اپنی جگہ سے نہیں ہلا، ہلتا بھی تو کیسے؟ رضا نے کچھ کہنے کے لیے چھوڑا کہاں تھا؟ علی شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا تھا۔ اُس نے ذکر نہیں کیا، اُس نے کل کے واقعے کا ذکر نہیں کیا۔ اُس نے علی کا پردہ رکھ لیا۔ ہاں! اُس نے ڈوبتی ہوئی ہی صحیح، پر اپنی پرانی دوستی کا بھرم رکھ لیا تھا۔ حسین دروازے کی طرف بڑھنے لگا، رضا کے پیچھے جانا چاہتا تھا شاید۔۔۔

مقدّم کے وجود میں جنبش ہوئی، وہ علی کے قریب تھا۔ اُسکے پاس آیا اور اُسکے سامنے کھڑا ہوا۔ علی کا جھکا سر اٹھا اور اُس نے خالی خالی نظروں سے مقدّم کو دیکھا۔ اب کیا کہے گا وہ؟ ہاں! بس وہی تو رہ گیا تھا جس نے اب تک اس معاملے پر اسے کچھ نہ کہا تھا۔

''لیلیٰ مر چکی ہے علی۔۔۔'' بلکل غیر متوقع بات کہی۔ جو کسی کے تصوّر میں نہ تھی، جو کسی کے خیال میں بھی نہ گزری تھی، جو کسی نے تصور بھی نہ کی، وہ بات کہی تھی اس نے۔

سانسیں چلنے سے انکاری ہو گئیں، دنیا ساکن ہو گئی اور حواس سلب ہو گئے۔ الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ؟ دروازے سے باہر نکلتے حسین کے قدم تھمے، وہ پلٹا۔۔۔ یہ اُسکے کانوں نے کیا سنا تھا ابھی؟ آج کا دوسرا جھٹکا، جس نے وہاں کھڑے کسی بھی شخص کو کچھ بھی کہنے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔

''لیلیٰ مر گئی تھی، اور میرا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا تھا۔ جب تک ہوش آیا تب تک اُسکا سوئم بھی گزر چکا تھا۔'' متوازن مگر دھیمے لہجے میں وہ بتا رہا تھا، پر وہ یہ کیوں بتا رہا تھا؟

''اُسکے بعد جتنی دوائیں مجھے ڈاکٹرز نے دی تھیں، وہ اتنی بھاری تھیں کہ میں چوبیس گھنٹوں میں سے چند گھنٹے جاگتا تھا، باقی کے گھنٹوں میں چاہ کر بھی ہل نہیں سکتا تھا۔ چلنے کے لیے قدم رکھتا تھا تو پاؤں لڑکھڑاتے تھے، بات کرتا تھا تو زبان ہکلاتی تھی۔ میری یہ حالت دیکھ کر ہر شخص نے یہی اندازہ لگایا کہ میں نشہ کرتا ہوں۔ میرے خاندان میں آج بھی یہی مشہور ہے کہ میں عادی نشئی تھا اور میرے ماں باپ میرا علاج کراتے کراتے مر گئے۔ تم اُن سے ملو گے تو وہ تمہیں یہی بتائیں گے۔ بلکہ اس بھی زیادہ یہ کہ میں ذہنی مریض تھا اور چند ایک تو یہ بھی بتا دیں گے کہ مجھ پر جنّات کا سایہ تھا۔'' آخر میں وہ ہنسا۔ پتہ نہیں کس پر؟ اپنے خاندان والوں پر یا اپنی بے بسی پر؟ سب کو سانپ سونگھا ہوا تھا۔ بات کچھ کچھ سمجھ آ رہی تھی۔ پر سمجھنا کون چاہتا تھا؟ ذہن تو وہیں اٹک گیا تھا، جہاں اُس نے لیلیٰ کی موت کی خبر دی تھی۔

''ضروری نہیں کہ جو تمہیں دوسروں سے پتہ چلے وہی سچ ہو۔ جو تمہیں معلوم ہوا وہ ایک طرف کی بات تھی، دوسری طرف کی بات جاننے کی کوشش بھی کرنی چاہیے تھی تمہیں۔ خبر اتنی تیزی سے نہیں پھیلتی، جتنی تیزی سے افواہ پھیلتی ہے۔ بنا تصدیق کہ جب تم کسی کا ماضی، موضوع گفتگو بناتے ہو، تو ہو سکتا ہے کہ تم کسی کے زخم اور اُسکی تکلیفیں تازہ کر دو۔ تمہیں اس بات کا خیال کرنا چاہیے تھا۔'' ساری باتوں کا ماخذ وہی تھا جو اُسے عمر، حسین اور خود رضا سمجھانا چاہتا تھا۔ لیکن آج تصویر کا کوئی اور رخ دیکھا تھا۔

دروازے پر رک کے کھڑا حسین مزید وہاں نہیں ٹھہر سکا۔ وہ جانے کے لیے پلٹا۔۔

یہ پہلا مجنوں ہے جسے اپنی لیلیٰ مل گئی ہے۔

کسی زمانے میں اس نے کہا تھا، آج اپنے کہے الفاظ کانوں میں گونجے تو دل بیٹھ سا گیا، قدم من من بھر کے ہو گئے۔ آج کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں بچی تھی، وہ رضا کے پیچھے بھی نہیں گیا۔

مقدّم کی بات مکمل ہو چکی تھی، وہ مزید وہاں نہیں رکا۔ عمر نے ایک نظر علی کو دیکھا اُسکے جھکے چہرے سے کچھ بھی اندازہ لگانا مشکل تھا۔ دوسری نظر نوید پر ڈالی تو الجھ گیا۔ وہ سنجیدہ تھا لیکن چہرے پر کوئی حیرانگی نہ تھی۔ وہ سنجیدہ مگر لاتعلق سا کھڑا تھا۔ وہ اُلجھا۔۔۔ جس روز علی نے رضا کے ڈر گزوالی بات کا ذکر کیا تھا اُس روز بھی نوید کے چہرے کا تاثر ایسا تھا جیسے وہ پہلے سے یہ بات جانتا ہو، آج بھی اُسکے چہرے پر کچھ اسی قسم کے تاثرات رقم تھے۔ سر جھٹک کے آگے بڑھا، علی کے سامنے رک کے اُسے دیکھا۔ اُسکا بیٹا اُسے چھوڑ گیا تھا لیکن اُس نے پھر بھی ہمت کی۔ اُس نے معافی مانگی۔۔۔ یہ وہ کام تھا جو اُن میں سے کوئی نہ کر سکا، پر علی نے کر لیا۔ کچھ بھی کہے بنا وہ باہر نکل گیا۔

علی نے بھی خاموشی سے جانے کے لیے قدم اٹھائے ہی تھے کہ کسی نے اُسکا بازو تھاما۔ چہرہ موڑ کے دیکھا تو اِس سارے معاملے میں لاتعلق کھڑا نوید اُسکے سامنے تھا۔

''میرے ساتھ آؤ! تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' سنجیدگی سے کہتے ہوئے اُسکا بازو چھوڑا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ گہری سانس لیتا اُسکے پیچھے چل دیا۔

ایک قاتل۔۔۔۔

جس نے اُنہیں جدا کیا۔۔۔

ایک قاتل۔۔۔۔

جس نے اُنہیں پھر سے اکھٹا کر دیا۔۔۔

ایک جھگڑا۔۔۔

جو اُنکے بیچ دراڑ کا سبب بنا۔۔۔

ایک جھگڑا۔۔۔۔

جو شاید۔۔۔

دراڑ بھرنے والا تھا؟

---------+---------+--------

رضا جا چکا تھا، پارکنگ میں اب عمر، مقدّم اور حسین کھڑے تھے۔ علی باہر نہیں آیا تھا۔

''میں رضا کو ڈھونڈھنے آیا تھا لیکن شاید وہ جا چکا ہے۔'' حسین نے کہا۔ اُسکی گاڑی نے آج پھر کوئی مسئلہ کر دیا تھا، جسے وہ درست کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمر اور مقدّم اسے گاڑی کا بونٹ اٹھائے، اُس میں سر دیئے کھڑا دیکھ اُسکے پاس ہی آ گئے۔ لیکن خاموشی پھر بھی چھائی رہی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے مقدّم نے جو انکشاف کیا تھا، اُسکا اثر زائل کرنے کے لیے حسین نے بلاوجہ ہی وضاحت دی تھی۔

''ہاں! اُسے نکلے کافی دیر ہو گئی ہے۔'' عمر نے بھی بات کرنے کے غرض سے کہا۔ خاموشی پھر چھا گئی۔ حسین سر جھکائے اپنی گاڑی کے تار جوڑنے میں مصروف رہا۔

''میری سمجھ نہیں آیا کہ ان دونوں کو اچانک سے ہو کیا گیا تھا آج؟'' خاموشی کو مقدّم کی آواز نے توڑا۔

''علی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا بس!'' عمر نے کہا۔ اُسے یقین تھا کہ جتنا اس روز اُس نے علی کو سمجھایا تھا، اُسکا کچھ تو اثر ہوا ہو گا۔

''ہاں! کل بھی دونوں کا جھگڑا ہوا تھا، اُسکے بعد میں نے سمجھایا تھا اُسے، شکر ہے سمجھ گیا۔'' حسین نے بونٹ زور سے بند کرتے ہوئے بتایا۔ اُسکا کام ہو گیا تھا شاید۔۔۔

''کل؟'' دونوں ہی حیران رہ گئے۔

''ہاں کل!۔۔۔ مجھے اتفاقیہ علی مل گیا تھا تو میں اُسے گھر چھوڑنے ساتھ جا رہا تھا۔ لیکن راستے میں میری گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا۔ ہمیں کچھ دیر رکنا پڑا تو وہاں پر۔۔۔۔'' وہ مختصراً سب بتاتا چلا گیا۔ وہ دونوں جیسے بے یقین سے رہ گئے۔

''مجھے یقین نہیں آ رہا۔۔۔ علی! اپنی بیوی کو اس طرح گھر سے نکال سکتا ہے؟ ہو کیا گیا ہے اُسے؟'' مقدّم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

''بیوی نہیں، سابقہ بیوی۔۔۔'' عمر نے سنجیدگی سے تصحیح کی، اب حیران ہونے کی باری باقی دونوں کی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''علی کی چار سال پہلے ہی طلاق ہو چکی ہے۔ اُسکی بیوی نے کسی اور سے شادی کر لی تھی لہٰذا دونوں کا بیٹا، علی کے پاس تھا۔ لیکن اب کچھ عرصے سے وہ زبردستی اپنے بیٹے کو چھیننے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور اب پچھلے ہفتے وہ اپنے بیٹے کو ساتھ بھی لے گئی ہے۔ شاید اسی لیے گھر سے نکالا ہو۔'' عمر نے تفصیلاً بتایا۔ حسین تو خاموش رہا لیکن مقدّم کو یہ جواز پسند نہیں آیا۔

''بے شک سابقہ بیوی ہو، لیکن ایک عورت کو خصوصاً ایک ماں کو جو اپنے بچے سے ملنا چاہتی ہے، اس طرح گھر سے نکالنا علی کو زیب نہیں دیتا۔'' وہ متفق نہیں تھا۔

''رضا کو ایک بوڑھے آدمی کو اُسکی جوان بیٹیوں اور بیوی کے ساتھ گھر سے نکالنا زیب دیتا ہے؟'' تلخی سے کیے گئے اس سوال پر گاڑی کا دروازہ کھولتے حسین نے رک کر اُن دونوں کو دیکھا۔ مقدّم حیران ہوا۔

''وہ رضا کا ماموں تھا، اور تم جانتے ہو کہ وہ کن حالات میں رہا ہے، یقیناً وہی وجہ ہونگے ان سب کی۔'' اُس نے وضاحت دینی چاہی۔

''تو وہ بھی اُسکی سابقہ بیوی تھی، جو اُس سے اُسکا بیٹا چھیننے آئی تھی۔'' عمر نے بھی دوبدو جواب دیا۔

''آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''تم لوگ رضا کی غلطیوں کا جواز ڈھونڈ لیتے ہو لیکن علی کی نہیں۔۔۔ جب رضا کو غلطی کرنے کا مارجن دے سکتے ہو، تو علی کو کیوں نہیں؟''

''ان سب میں پہل علی نے ہی کی تھی۔'' اُس نے جتایا۔

''معافی مانگنے میں بھی اسی نے پہل کی ہے۔''

''آخر تم میرے سامنے علی کی وکالت کیوں کر رہے ہو؟'' اُس نے چڑ کر پوچھا۔

''کیونکہ اُسکے سامنے تمہاری بھی کی تھی۔'' مقدّم لاجواب ہو گیا۔

یہی وجہ تھی کہ عمر نے اُسے جھگڑے والی بات پوری نہیں بتائی تھی، نہیں بتایا تھا کہ علی نے اُسے مفرور کہا تھا۔ البتہ یہ ضرور بتایا تھا کہ وہ تمہارے غائب ہونے کی وجہ سے پریشان تھا اور یہی بات جھگڑے کا سبب بنی، اور اب عمر دیکھ سکتا تھا کہ بس اتنی سی بات پر ہی وہ علی سے کتنا بدظن ہو گیا تھا؟

''اب تم دونوں تو نہ لڑو۔'' حسین نے کہا۔

''لڑ نہیں رہا میں، بس سمجھانا چاہتا ہوں کہ علی بھی پریشان ہے۔ گھر ٹوٹنا آسان بات نہیں ہوتی، پھر اُسکا بیٹا بھی اس سے دور ہو گیا ہے۔ ٹھیک ہے! جو اُس نے کیا وہ اُسے نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن اب اس نے معافی مانگ لی نہ؟ تو ختم کرو اس بات کو۔'' عمر نے آرام سے سمجھایا۔

''میں جا رہا ہوں۔'' مقدّم نے اطلاعی انداز میں کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

''یہ ناراض ہو گیا کیا؟'' حسین نے عمر سے آہستہ سے پوچھا۔

''میرا نہیں خیال۔'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا ''کچھ دیر چھوڑ دو اُسے خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔'' حسین کو جواب دیتے وہ بھی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ چکا تھا۔

چیزیں آہستہ آہستہ جگہ پر آنے لگی تھیں۔

---------+--------+--------

ایس ایس پی نوید عالم

کمرے کے دروازے پر لگی خوبصورت سی تختی پر نوید کا نام جگمگا رہا تھا۔اُس نے دروازہ کھولا اور علی کو اندر آنے کا راستہ دیا۔اُسکے اندر آتے ہی نوید نے دروازے پر ہی کھڑے کھڑے کسی کو پانی لانے کو کہا اور ساتھ کچھ مزید ہدایات دیں جو علی سن نہ سکا، پھر اُسے بند کرتا ہوا اندر آ گیا۔

خوبصورت فرنیچر اور جدید آرکٹیکٹ سے آراستہ آفس پہلی نظر میں ہی آنکھوں کو متاثر کرتا تھا۔آفس کے درمیان میں رکھی میز پر بھی ایک تختی تھی، جس پر اُس کا نام جگمگا رہا تھا۔میز کے ساتھ رکھی ریوالونگ چیئر کے پیچھے دیوار گیر ریکس تھے۔کچھ میں اُسکی سروس کے دوران لی جانے والی تصاویر تھیں، تو کچھ میں اُسکے ایوارڈز وغیرہ۔باقی ریکس میں شوپیس وغیرہ رکھے تھے۔ان سب میں جو شے توجہ کا مرکز تھی، وہ عین وسط میں رکھا ستارہ شجاعت تھا۔جو اُسے چار سال قبل غیر معمولی بہادری کی بنا پر ملا تھا۔میز کی دونوں جانب پاکستان کے بڑے سائز کے دو جھنڈے نصب تھے۔

علی ایک نظر کمرے پر ڈالتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا۔کھڑا ہونا تو دور اب بیٹھنا بھی محال ہو رہا تھا۔نوید ریوالونگ چیئر گھسیٹ کر اُسکے قریب لے آیا، بیٹھنے سے پہلے ہی دروازہ بجا تو وہ دروازے تک چلا گیا۔پھر ہاتھ میں ٹرے لیکر دروازہ دوبارہ بند کرتے ہوئے علی کے پاس واپس آیا اور ٹرے اُسکے سامنے رکھ دی۔اُس نے دیکھا، ٹرے میں پانی کا گلاس، چائے کی پیالی اور بسکٹ، ساتھ ایک پیراسیٹامول کا پتہ بھی رکھا تھا۔

''کھاؤ اسے!''اُسکی طرف دوا بڑھاتے ہوئے خود کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیوں؟''اُس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''تمہیں بخار ہے، پہلے دوا لو پھر بات کرتے ہیں۔''وہ حیران ہوا، اُسے کیسے پتہ چلا؟ بہر حال اس نے بس پانی کے ساتھ دوا لی اور ہاتھ پیچھے کر لیا۔نوید نے اس پر کچھ نہیں کہا۔

''تمہارا کس بات پر جھگڑا ہوا تھا رضا سے؟''نوید نے سنجیدگی سے سوال کیا تو اُس نے ناسمجھی سے اُسے دیکھا۔

''تمہیں معلوم تو ہے، میں نے اُسے خلیل کے۔۔۔''

''میں کل کی بات کر رہا ہوں۔''اُس نے اُسکی بات کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ بھونچکا رہ گیا۔

''کل؟''اُسے یقین نہ آیا کہ نوید کو یہ بات معلوم تھی۔

''ہاں! کل۔۔۔ تم دونوں کس بات پر بیچ سڑک پر جھگڑ رہے تھے؟'' ریوالونگ چیئر کو دائیں سے بائیں ہلکا سا گھماتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تمہیں کیسے پتہ؟'' اُس نے پوچھا۔

''میں نے بتایا تھا کہ تم لوگوں کے پیچھے سی ٹی ڈی کے جوان ہیں۔ تمہاری ہر خبر مل جاتی ہے ہمیں۔'' اُس نے جتایا۔

''پھر تو یہ بھی معلوم ہو گا کہ کس بات پر جھگڑا ہوا تھا؟'' اُس نے طنزیہ کہا۔ نوید کے چہرے کی سختی سے خائف تھا وہ۔۔۔

''ہاں! لیکن میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔'' طنز خاطر میں نہیں لایا گیا۔

''میں بتانا نہیں چاہتا۔'' علی نے کہا۔ نوید کچھ دیر اُسے دیکھتا رہا پھر گہری سانس لیتا ہوا آگے ہوا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے علی؟ تم تو ایسے نہیں تھے۔ کیوں اتنے نیگیٹیو (منفی) ہو چکے ہو تم؟ کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ مجھے بتاؤ۔'' آہستہ سے کیے گئے اس سوال پر علی کا دل بھر آیا۔ کسی نے تو اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟

''مجھے کچھ اہم کام ہے، میں جا سکتا ہوں؟'' اُس نے رخ پھیرتے ہوئے پوچھا، مبادا چہرہ نہ پڑھ لے۔

''نہیں! جب تک تم بتا نہ دو کہ تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟ تب تک تو تم کہیں نہیں جا رہے۔'' علی نے حیران ہوتے اُسے دیکھا۔ بھلا وہ اتنے حق سے اُس سے یہ کیسے کہہ رہا تھا؟

''جب میں نے تمہارے ساتھ یہی سب کیا تھا تب بھی مسئلہ کیا میرے ساتھ ہی تھا؟'' تلخی سے پوچھا۔ نوید کے ماتھے پر بل پڑے پر بولا کچھ نہیں۔

''مان لو کہ برا میں ہی ہوں۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے ساتھ، میں ہوں ہی غلط۔'' پتہ نہیں اتنا برا بھلا کیوں کہہ رہا تھا خود کو؟ نوید گہری سانس لیتا پیچھے ہوا۔

''تم غلط دس سال پہلے بھی نہیں تھے، غلط ہم بھی نہیں تھے۔ بس وہ وقت صحیح نہیں تھا۔'' اور وہی ہوا جو ہوتا آ رہا ہے۔ بات جب نکلتی دس سال پیچھے ہی پہنچ جاتی تھی۔

''جب تم رضا کی ڈر گزلینے والی بات نکال رہے تھے، میں نے تمہیں تب بھی روکنا چاہا تھا۔ میں تمہیں غلط نہیں کہہ رہا لیکن علی! مجھے تب بھی سمجھ آ گیا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی مسئلہ ہے اور اُس روز بھی جب تم رات کو مجھے ملے تھے۔'' وہ تمہید باندھ رہا تھا یا اُسے بولنے پر اکسا رہا تھا؟

''تم جانتے تھے کہ رضا ڈر گزلیتا ہے؟'' علی کا سوال غیر متوقع تھا۔

''میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارا بیٹا تمہاری سابقہ بیوی کے ساتھ چلا گیا ہے۔''نوید کا جواب بھی اتنا ہی غیر متوقع تھا۔ کوئی پہاڑ ٹوٹا تھا اُسکے سر پر۔۔۔ کتنے لمحے وہ بے یقینی سے اُسے دیکھتا رہا پھر اگلے ہی لمحے ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھ جاؤ علی!''نوید نے اُٹھے بنا ہی کہا۔ پر وہ نہیں بیٹھا۔''پلیز۔۔۔''اس مرتبہ درخواست کی تو نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گیا۔

''جب تم لوگ پہلی بار یہاں آئے تھے تو اس سے ایک روز پہلے ہی مجھے تم سب کی معلومات مل گئی تھیں۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ لیلیٰ مر چکی ہے، یہ بھی کہ رضا ماضی میں ڈرگ اڈکٹید (عادی نشئی) تھا اور بھی بہت کچھ۔۔۔ یہ میرا پیشہ ہے۔''سنجیدگی سے وضاحت دی۔ جس روز اُس نے مارٹ میں حسین کے ساتھ حور عین کو دیکھا تھا، اُس روز بھی وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حور عین اُسکی بیوی ہے۔

''تمہارے اس رویے کے پیچھے کیا وجہ ہے؟ مجھے بتاؤ، کیا معلوم میں کچھ کر سکوں؟''اُس نے پہلی بار اپنائیت سے کہا تھا۔

''کیا کر سکتے ہو تم؟ کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔''اُس نے آہستہ سے کہا۔ دل کے زخم تازہ ہونے لگے تھے۔

''میں جانتا ہوں کہ دس سال پہلے بھی میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکا تھا۔ لیکن کیا معلوم اب آ جاؤں؟''علی رکا۔۔۔ حیران ہوا۔۔۔ پریشان ہوا۔ وہ لوگ کیوں ایسا سمجھ رہے تھے کہ وہ ابھی تک اُن سے ایک دہائی پہلے کے مسئلے پر خفا ہے؟ زندگی میں اُس سے بڑے بڑے واقعات رونما ہو چکے تھے۔ ایسے میں وہ مسئلہ بھلا کیا اہمیت رکھتا تھا؟

''تم میرا بیٹا واپس لا سکتے ہو؟''اس سوال پر نوید تھما۔

''کیا تم میرے باپ کی نظروں میں مجھے کوئی مقام دلوا سکتے ہو؟ میرے بیٹے کے دل سے میرے لیے نفرت نکال سکتے ہو؟ میرا ٹوٹا گھر واپس بسا سکتے ہو؟'' وہ پھٹ پڑا۔ نوید نے دکھ سے اُسے دیکھا۔

''تو تم کیسے کہہ رہے ہو کہ تم میرے کام آ سکتے ہو؟''آواز رندھ گئی، لہجہ بھرا گیا، آنکھیں سرخ ہوئیں۔ کون کہتا ہے مرد کو درد نہیں ہوتا؟ مرد کو سہارا بھی چاہیے ہوتا ہے، اسکو تسلی کے دو بولوں کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی انسان ہوتا ہے۔ ایک جیتا جاگتا انسان۔ نوید نے پانی کا گلاس اٹھا کر اُسے دیا۔ اُس نے لیا اور پی گیا، خود کو رونے سے بمشکل روکے، وہ گہری سانس لیکر خود کو کمپوز کرنے میں ناکام ہو رہا تھا۔

''تم عدالت سے اپنا بیٹا واپس لا سکتے ہو۔''نوید نے حل پیش کیا۔

''میرا بیٹا میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتا، کیا فائدہ پھر؟''خود پر قابو پانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟''اُسکی اپنی آواز نے ہی ساتھ نہیں دیا۔

''ایسا ہی ہے! میں کسی انسان کے دل میں جگہ نہیں بنا سکا۔ کسی ایک انسان کے بھی نہیں۔۔۔۔'' تھک کر سر دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔ آنسو بہہ نکلے، مزید ضبط کرنے کا حوصلہ نہیں بچا تھا۔ نوید سن سا بیٹھا رہ گیا، اُسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس طرح رو دیگا۔

جب اُس سے الگ ہوا تھا، تو مر کر بھی تصوّر نہیں کیا تھا کہ زندگی میں دوبارہ اُس سے ملاقات ہو گی، تو وہ اس حال میں ملے گا۔ وہ شاید رو رہا تھا، اتنے دنوں کا بوجھ آج نکلا تھا۔ نوید کا دل پسیجا۔

وہ اُسکا دوست تھا، اُسکا بہترین دوست۔۔۔ اُسکا جگری یار۔۔۔

اور وہ رو رہا تھا تو کیا نوید سکون سے بیٹھا رہ سکتا تھا؟ اُسے تسلی دینی نہیں آتی تھی، اور وہ آج بھی نہیں آئی تھی۔ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو اُسکے کندھوں پر ہاتھ رکھا، لیکن تسلی دینے کے لیے الفاظ نہ ملے۔

علی نے چہرہ اٹھا کر آنسو صاف کیے، نم آنکھیں فرش پر ٹکی رہیں، آج برداشت ختم ہو گئی تھی اُسکی۔ نوید اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسکے پاس آیا، اُسکے کندھے پر بازو پھیلا کر اُسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

خلا بھرنا ہی تھا، دراڑ ختم ہونی ہی تھی۔

وہ آج ہی صحیح۔۔۔۔

---------+---------+--------

''سفیر لودھی کا بیٹا ٹکے ٹکے کی ملازمت کر رہا ہے۔ باپ کا کاروبار ہوتے ہوئے بھی اپنے فضول شوق کے ہاتھوں ذلیل ہو رہا ہے۔'' دس سال پہلے کی ایک صبح اُسکے باپ نے فاطمہ کے سامنے بیٹھ کر یہ بات کہی تھی۔ ہمیشہ کہتے تھے، کوئی نئی بات نہیں تھی۔ لیکن نیا یہ تھا کہ آج فاطمہ کے سامنے بھی یہی سب ہوا تھا۔

'' جسے آپ ٹکے ٹکے کی ملازمت کہہ رہے ہیں وہ میرا رزق ہے، حلال کمائی ہے میری۔'' اُس نے ضبط سے کہا۔

''ساری زندگی بھی کماتے رہو گے تو بھی اپنا کاروبار کھڑا نہیں کر سکتے۔'' وہ چپ ہو گیا۔ پھر وہاں سے اُٹھ کر کمرے میں چلا آیا۔ سفیر صاحب صحیح کہہ رہے تھے، وہ دو دو نوکریاں کر رہا تھا۔ ایک تنخواہ سے اپنا اور فاطمہ کا خرچ اٹھاتا اور دوسری تنخواہ بینک میں رکھوایا کرتا تاکہ اپنے کاروبار کے لیے سرمایہ اکھٹا کر سکے۔ لیکن یہ اب بہت مشکل نظر آ رہا تھا۔

''تم کیوں پریشان ہوتے ہو؟ اگر تم کہو تو میں جاب کرنے کو تیار ہوں۔'' اُسے پریشان دیکھ کر فاطمہ کہتی۔

”نہیں فاطمہ! تم نے مجھ سے کبھی کوئی خواہش نہیں کی، کبھی کچھ نہیں مانگا۔ صرف ایک بار کہا تھا کہ تم نوکری نہیں کرنا چاہتی۔ میں اپنے شوق کے لیے تمہیں تکلیف میں نہیں ڈالوں گا۔ یہ میرا امتحان ہے، مجھے ہی دینا ہے۔“ وہ اُسے منع کر دیتا۔ سچ تو یہ تھا کہ فاطمہ نے اس سے واقعی کبھی کچھ نہ مانگا تھا۔ وہ جو بھی لا کر دے دیتا، اُسی میں خوش رہتی۔ اُس سے کبھی فرمائشیں نہیں کرتی، کبھی مہنگے مہنگے تحفے نہیں مانگتی۔ ایسے میں علی اُس سے کبھی بھی یہ احسان نہیں لینا چاہتا تھا۔ کبھی کبھی اُسکی بے لوث محبت پر مشکور ہوتا اُسکا ہاتھ تھام کر کہتا۔

”آج نہیں تو کل، جب میں اپنا کام شروع کر دوں گا، تو دیکھنا سب سے پہلا منافع تمہارے ہاتھ پر رکھوں گا۔“

”اور میں اُسکا کیا کروں گی؟“ وہ ہنس دیتی۔

علی کی مصروف زندگی میں صرف ایک ویک اینڈ ہوتا تھا، جب وہ فاطمہ کے ساتھ واک پر جاتا، اُسکے پاس کرنے کے لیے دنیا جہاں کی باتیں ہوتیں اور وہ بس مسکراتا اُسے سنتا رہتا۔ راستے میں وہ کبھی میٹھے پان خریدتے، کبھی گول گپے کھاتے تو کبھی علی گجرے خرید کر اُسے پہنا دیتا۔ یہ چند گھنٹے اُسکی پورے ہفتے کی تھکن دور کر دیتے اور وہ نئے سرے سے خود کو محنت کرنے کے لئے تیار کرتا۔ فاطمہ اُسکی زندگی میں بہار تھی، وہ ساتھ ہوتی تو دل کھول کر ہنستا۔ اسے دیکھ دیکھ کر جیتا اور اُسکے لیے ہی دل و جان سے محنت کرتا۔

پھر اُسکی زندگی میں احمد آیا۔ اپنی اولاد کو گود میں لینا اُس سے بھی کہیں بڑھ کر خوبصورت احساس تھا۔ دونوں نے بڑے پیار سے اُسکا نام رکھا تھا۔ اب فاطمہ کی توجہ کا مرکز احمد ہوتا تھا۔ وہ اپنی خواہشات تو مار لیتی تھی لیکن اب اپنے بیٹے کے لیے اُسکا دل نئی نئی چیزیں خریدنے کو مچلتا۔ کوئی نیا کھلونا دیکھتی تو چاہتی کہ احمد بھی اس سے کھیلے۔

شروعات میں وہ اپنی جیب خرچ سے احمد کے لیے چیزیں لیتی، علی کو معلوم بھی نہ ہوتا۔ لیکن پھر اُس نے علی سے فرمائشیں کرنی شروع کی۔ پہلے پہل تو اُس نے پورے جوش و خروش سے اُسکے لیے ہر چیز لا کر دی، لیکن جب اُسکی ساری تنخواہیں اور بینک میں رکھے پیسوں تک میں ہاتھ لگنے لگا تو اُسے پتہ چلا کہ بچہ پالنا کتنا مشکل کام ہے؟ اُسکا سارا جوش و خروش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا، سفیر صاحب بھی چلتے پھرتے کچھ ایسا کہہ دیتے کہ اُسکا دماغ گھوم کر رہ جاتا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ فاطمہ بھی اب اس سے روز کوئی نہ کوئی نیا مطالبہ کرنے لگی تھی۔

”علی! کیا ہم اپنے بچے کی سالگرہ نہیں کریں گے؟“ اُس نے احمد کی پہلی سالگرہ پر پوچھا تھا۔

”نہیں، ہم کیسے کر سکتے ہیں بھلا؟“ اُس نے صاف جواب دیا۔

”پلیز! دیکھو بس پہلی سالگرہ ہی تو ہے۔“ اُس نے منت کی۔

''فاطمہ! سالگرہ آسان بات نہیں ہے۔ ہزاروں خرچے ہوتے ہیں اور میں اتنے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا۔''اُس نے سمجھایا۔

''علی! تم بینک میں پیسے رکھتے تو ہو ناں! اگر اُس میں سے تھوڑے۔۔۔''

''ہر گز نہیں! پہلے ہی تمہاری فرمائشوں کی وجہ سے اُن پیسوں میں ہاتھ لگ چکا ہے۔ میں اُسے ان سب میں ضائع نہیں کر سکتا۔''اس نے سختی سے کہا تو پہلے فاطمہ نے صدمے سے اُسے دیکھا اور پھر خاموشی سے اُٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ وہ پوری رات علی نے پریشانی میں گزاری، اپنے لہجے اور الفاظ کا احساس ہوا تو شرمندگی نے آگھیرا۔ فاطمہ نے بھلا نے کب اپنے لیے کوئی فرمائش کی تھی؟ ہمیشہ اپنے بیٹے کا ہی تو سوچتی تھی۔ اور علی بھی تو اپنے بیٹے کو ہی سب کچھ دینا چاہتا تھا اور اُسکے بہتر مستقبل کے لیے ہی تو کر رہا تھا اتنی محنت۔ بلآخر اُس نے صبح تک فاطمہ کو منا لیا اور سالگرہ کی ایک چھوٹی سی تقریب رکھ دی۔ بینک میں رکھے پیسوں کو ہاتھ لگانے کے بجائے اپنی ماں سے ادھار لیا۔ اُنہوں نے خوشی خوشی دے دیا۔ ساتھ میں وعدہ بھی لیا کہ ابّا کو نہ بتائیں۔

سالگرہ بخیر و خوبی ہو گئی، لیکن اُس پوری تقریب میں وہ خاموش سا رہا۔ اُسکے ذہن میں بیک وقت ہزاروں مسائل چل رہے تھے۔ ٹھیک ہے یوٹیلیٹی بیلز وہ نہیں دیتا تھا لیکن گھر کا راشن اُسکے پیسوں سے ہی آتا تھا۔ احمد کے ہزاروں خرچے تھے، امّاں کو کبھی پیسے دیئے نہ تھے، لیکن آج اُن سے مانگتے ہوئے شدید شرم آئی تھی، وہ بھی ایک فضول سی تقریب کے لیے۔

''تم پورے فنکشن میں اس طرح منہ لٹکا کر کیوں کھڑے تھے؟''رات فاطمہ نے اس سے پوچھا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی کانوں سے بندے اُتار رہی تھی۔ علی اُسے آئینے میں ہی بستر پر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

''سر میں درد تھا۔''مختصر جواب دیا۔

''علی! تم اپنے بیٹے کی خوشی میں خوش نہیں ہو؟''بندے دراز میں ڈالتے ہوئے، جانچتی نظریں، آئینے میں نظر آتے اُسکے عکس پر ڈالیں۔

''بیٹے کی خوشی؟ اُسے تو یہ یاد بھی نہیں رہے گا۔ خوشی اُسکی نہیں تمہاری تھی۔''وہ سخت لہجے میں بولا۔

''میری خوشی؟''پلٹ کر حیرت سے دیکھا۔''میری خوشی کا سوچا ہی کب ہے تم نے؟ ہمیشہ اپنے خوابوں، اپنے کاروبار اور اپنے شوق کو اہمیت دی ہے۔ میں پورا ہفتہ انتظار کرتی ہوں تمہارے پاس بات کرنے تک کو وقت نہیں ہوتا، پہلے ہم ویک اینڈز پر باہر جاتے تھے۔ اب کتنے مہینوں سے تم میرے ساتھ کہیں باہر بھی نہیں گئے؟ میں نے کبھی شکایت نہیں کی، لیکن آج اپنے بیٹے کے لیے کہا تو تمہیں یہ میری خوشی لگی؟''وہ پھٹ پڑی۔

''میں نے تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا، شادی سے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں تمہاری خواہشات پوری نہیں کر سکوں گا۔ اس سے پہلے کہ تم بیزار ہونے لگو ابھی انکار کر دو۔ کہا تھا ناں؟''اُس کا لہجہ بھی تیز ہوا۔

''تمہیں لگتا ہے کہ میں انکار کر سکتی تھیں؟ جب تم مرد ہو کر نہیں کر سکے تو میں کیسے کر تیں؟'' وہ چیخ اٹھی۔ علی بھونچکارہ گیا، یہ کیا کہہ رہی تھی وہ؟

''آج کے بعد میں تم سے کچھ نہیں مانگوں گی۔ میں نے تم سے جو مانگا اپنے بیٹے کے لیے مانگا۔ لیکن اب سے وہ بھی نہیں کہوں گی۔ احمد کے لیے مجھے ملازمت کرنی پڑی تو وہ بھی کرلوں گی۔'' وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ وہ سر ہاتھوں میں گرا کر بیٹھ گیا۔ یہ اُنکا پہلا جھگڑا تھا۔ لیکن آخری نہیں۔۔۔

اُس روز تو اس نے فاطمہ کو منالیا، وہ ہر گز نہیں چاہتا تھا کہ یہ لڑکی جس سے اس نے وعدہ کیا تھا کہ اُسے کبھی بھی در در کی ٹھوکریں کھانے نہیں دیگا، اُس سے کیا ہوا وعدہ توڑ دے۔

وہ بھی جلدی مان گئی۔ علی نے اُسکا ہاتھ خرچ بڑھا دیا، اور اپنے اخراجات کم کر دیئے۔ لیکن بینک کے پیسوں کو ہاتھ نہیں لگایا۔ اُسے کاروبار کرنا تھا اور ہر صورت کرنا تھا، سفیر صاحب کو کچھ بن کے دکھانا تھا۔

اُسکی زندگی دن بہ دن مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ جتنی محنت کرتا پیسے اُس سے کہیں زیادہ خرچ ہوتے۔ کبھی کبھار سوچتا کہ اگر اکیلا ہوتا تو کب کا اپنا خواب پورا کر چکا ہوتا۔ وہ چڑ چڑا ہونے لگا، احمد کے لیے بھی اُسکے پاس وقت نہ ہوتا۔ چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے محنت کرتا اور باقی چھ گھنٹے سوتا تو اُسکو احمد اپنے آس پاس بھی نہیں چاہیے ہوتا تھا۔

اُسکے اور فاطمہ کے اختلافات بھی دن بہ دن بڑھنے لگے تھے۔ بات معمولی بحث سے بڑے جھگڑے تک چلی جاتی۔ اُسے لگتا کہ فاطمہ اُسے نہیں سمجھ رہی اور بلکل ایسا ہی فاطمہ کو بھی لگتا کہ وہ اُسے نہیں سمجھنا چاہ رہا ہے۔

زندگی خوبصورتی سے بدصورتی کی راہ پر چل پڑی تھی۔

----------+---------+--------

اُس روز فاطمہ تین سالہ احمد کے ساتھ اپنی یونیورسٹی کے زمانے کی دوست کے گھر آئی تھی۔ اُسکے بیٹے کی سالگرہ تھی اور اس نے تمام دوستوں کو مدعو کیا تھا۔

اچھی خاصی مہنگی تقریب تھی۔ تھیم جنگل کے جانوروں پر تھی، کیک بھی ویسا ہی تھا۔ ریفریشمنٹ کے نام پر ہی اتنا کچھ رکھ دیا تھا اور سب کا سب تھیم کے حساب سے، کھانا تو ابھی سرو بھی نہ ہوا تھا پتہ نہیں اُس میں کتنے آئٹمز رکھے ہونگے؟ بچوں کے لیے مختلف گیمز تھے، گڈی بیگز الگ اور ساتھ ہی ایک شعبدہ باز جو مختلف قسم کے کرتب دکھا رہا تھا۔

اور ایک احمد کی تقریب تھی، روکھی پھیکی سی۔ صرف کیک کٹا اور مہمانوں کو کھانا کھلا کر رخصت کر دیا۔ فاطمہ دل مسوس کر رہ گئی۔ علی کی کنجوسی پر غصّہ آیا۔ دکھ سے باقی بچوں کے ساتھ کھیلتے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ ایک ہی سالگرہ ہوئی تھی اُسکی اور وہ بھی اتنی بورنگ۔۔۔ بیچارہ۔۔۔ اپنے بچے پر جی بھر کر ترس آیا۔

قریب ہی اُسکی سہیلی اپنی دوستوں کے گروپ کے ساتھ فوٹو سیشن کروا رہی تھی۔ اُسے بھی بلایا پر وہ اُٹھ کر نہیں گئی۔ اُنکے برانڈڈ لباس، مہنگے زیورات اور قیمتی موبائل فونز نے اُسے شدید قسم کے احساس کمتری میں مبتلا کر دیا تھا۔

''فاطمہ!۔۔۔ فاطمہ آفندی'' وہ اپنے خیالوں میں مگن تھی، جب ایک مردانہ آواز اُسکے کانوں سے ٹکرائی۔ اُس نے نظریں اٹھا کے دیکھا تو سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر اُسکا پورا وجود ساکن ہو گیا۔

''تقی۔۔۔ تم یہاں؟'' وہ حیرت سے کھڑی ہوئی۔

''مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ خوش گوار حیرت سے بولا۔

''جی وہ، ملائکہ میری دوست ہے۔'' اُس نے میزبان کا نام لیا۔ تقی کی یہاں موجودگی اُسے کوفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

''اور میری کزن ہے۔ ویسے تو میں اس قسم کی تقریبات میں نہیں جاتا لیکن میرا خاندان ملک میں نہیں ہے، اسی لیے اپنی ماں کے پرزور اصرار پر اُنکی طرف سے آ گیا۔'' وہ ہنستے ہوئے وہیں بیٹھ گیا۔

''کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو!'' بات تو ایسے بے تکلفی سے کر رہا تھا جیسے پرانا دوستانہ ہو۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی بیٹھ گئی۔

''اور کیا کر رہی ہو آج کل؟'' اُس نے مزید دوستانہ لہجے میں پوچھا۔ اس سوال پر فاطمہ کی خود اعتمادی کہیں کھو گئی۔ یہاں موجود ہر عورت ورکنگ ویمن تھی۔ کوئی ملازمت کر رہی تھی تو کسی کا اپنا برانڈ تھا، کوئی اپنے شوہر کے بزنس میں سرمایہ لگانے والی تھی۔ غرض اُن سب کے پاس جو بھی باتیں تھیں، وہ پیسوں سے شروع ہو کر اُسی پر ختم ہو جاتی تھی۔ اُن سب میں بس فاطمہ ہی ایک ہاؤس وائف تھی۔

''میرا آپ سے ایسا تعلق کب سے ہو گیا کہ آپ مجھ سے ایسے سوال کریں؟'' اپنی خفت چھپانے کے لیے درشتی سے کہا۔

''تعلق تو تھا۔'' اُس نے آہستہ سے کہا۔ آواز میں دکھ بولا تھا۔

''صرف چند مہینے رہنے والی منگنی کو آپ تعلق کا نام نہیں دے سکتے۔'' اُس نے جتایا۔

''وہ چند ماہ میرے لیے پوری زندگی تھے۔'' نرمی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی احمد امی، امی کرتے اُسکے پاس آیا۔

''یہ تمہارا بیٹا ہے؟''اُس نے احمد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں!''سکون سے کہتے اُسکے چہرے کو دیکھا۔کچھ ٹوٹا تھا وہاں۔

''اوہ۔۔۔تو تم نے شادی کر لی؟''اُس نے آہستہ سے پوچھا۔

''کیوں؟نہیں کرنی چاہیے تھی کیا؟''

''میں نے اب تک نہیں کی۔''مسکراتے ہوئے کہتا وہ وہاں سے اُٹھ کر چلا گیا۔فاطمہ سن سی بیٹھی رہ گئی۔

یہیں سے شروع ہوتا ہے شیطان کا پہلا وار۔۔۔۔

---------+---------+--------

واپسی پر اُسے علی نے پک کر لیا تھا۔سخت تھکا ہوا لگتا تھا،لیکن پھر بھی ڈرائیو کر رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے؟میری دوست ملائکہ اپنا ڈیزائنر برانڈ لانچ کر رہی ہے۔اُس سلسلے میں مجھے بھی مدعو کیا ہے۔''وہ خوشی سے بتانے لگی۔

''ہونہہ۔۔۔''وہ اُسکی باتوں پر آج کل،بس اتنا ہی ردعمل دیتا تھا۔

''کیا ہونہہ؟تمہیں بھی بلایا ہے اُس نے۔۔۔''وہ چڑ گئی۔وہ اُسکے انداز پر ہنس پڑا۔

''آپکو معلوم تو ہے بیگم صاحبہ کہ میں کتنا مصروف ہوتا ہوں؟تم خود چلی جانا اور میری طرف سے معذرت کر لینا۔''اُسکے جواب پر وہ خفا ہوئی۔

''ہمیشہ یہی کرتے ہو تم،خاندان سے لیکر دوستوں تک کہیں بھی کوئی دعوت ہو مجھے اکیلا چھوڑ دیتے ہو۔''

''تم آج کل بہت شکوے نہیں کرنے لگی ہو؟''اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''تو تم میرے شکوے دور کیوں نہیں کرتے؟''وہ لڑنے کے موڈ میں تھی۔

''میں تھکا ہوا ہوں فاطمہ،پلیز!سکون سے ڈرائیو کرنے دو۔''چڑ کر کہتے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔دوبارہ اُن دونوں میں کوئی بات نہ ہوئی۔

رات کو فاطمہ کی نظروں کے سامنے بار بار ملائکہ کے گھر کا منظر گھوم جاتا۔جب اُسکے دوست وغیرہ جانے لگے،تو اُس نے فاطمہ کو درخواست کر کے کچھ دیر کے لیے روک لیا کہ اُس سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔پھر جب سب چلے گئے تو وہ اُسکے پاس آئی۔

''اوہ گاڈ فاطمہ!تم نے بتایا کیوں نہیں کبھی کہ تم تقی کی منگیتر رہ چکی ہو؟''وہ اتنا خوش کس بات پر تھی؟فاطمہ سمجھ نہ سکی۔

''اس میں بتانے والی کیا بات تھی؟''اُس نے اچھنبے سے پوچھا۔

''یار! تقی کے بارے میں پورا خاندان جانتا ہے کہ اُسکی منگنی ہوئی تھی اُسکی پسند سے،اور اُس لڑکی کے گھر والوں نے تقی کی کسی بات پر ناراض ہو کر منگنی توڑ دی تھی،وہ بیچارہ کوشش کرتا رہا کہ لڑکی سے بات کرے لیکن قسمت میں نہیں تھا۔اُس دن کے بعد سے ہم نے تقی کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔وہ بلکل ٹوٹ گیا تھا۔مجھے آج معلوم ہوا کہ وہ لڑکی تم ہو۔''ملائکہ کے لہجے میں عجیب سا جوش تھا۔

''ہماری منگنی بس تین چار ماہ رہی تھی اور اس دوران میری اُس سے بمشکل ایک یا دو بار ملاقات ہوئی تھی۔ایسا کچھ نہیں تھا ہمارے درمیان۔''اُس نے وضاحت دی۔

''لیکن اُسکے دل میں تو تھا نہ فاطمہ!''

''کیا بکواس کر رہی ہو؟میں شادی شدہ ہوں۔''اُس نے غصّے سے کہا۔

''ہاں! میں جانتی ہوں۔میں تو بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ ایک بار اُس سے مل کر ساری باتیں کلیئر کر لو۔ورنہ وہ ساری زندگی اسی طرح اکیلے رہے گا۔تم ہی اُسے سمجھا سکتی ہو۔''وہ بڑی اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔ فاطمہ غصّے سے وہاں سے اُٹھ کر جانے لگی۔

''وہ تم سے آج بھی محبت کرتا ہے فاطمہ۔۔۔''اُس نے پیچھے سے کہا تھا لیکن وہ رکی نہیں۔

اور اب نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔کروٹ پر کروٹ بدل رہی تھی۔دل میں عجیب عجیب سے وسوسے سر اٹھانے لگے۔اگر وہ مجھے پسند کرتا تھا تو اس وقت مجھے ایسا کیوں نہیں کہا؟اور ایک ہینڈسم،امیر کبیر مرد جسکو کوئی بھی لڑکی مل سکتی ہے،وہ آج بھی اُسکے پیچھے خود کو خوار کیوں کر رہا تھا؟اُسے یاد آیا کہ کیسے اُسکی شادی کے بارے میں جان کر اُسکے چہرے پر کرب کے آثار اُبھرے تھے۔اپنا آپ اچانک ہی بہت مغرور لگنے لگا۔

اور یہی شیطان کا اگلا وار ہوتا ہے۔۔۔

اپنی زندگی میں آنے والے اس تمام طوفان سے بے خبر علی سکون سے سویا ہوا تھا۔یہ نیند اب شاید اُسکی زندگی کی آخری پر سکون نیند ہونے والی تھی۔

---------+---------+--------

اگلی صبح وہ آفس کے لیے تیار ہو رہا تھا جب فاطمہ کا موبائل بجا۔ملائکہ کی کال تھی۔

''ہیلو!''

''فاطمہ کیا آج تم گھر آسکتی ہو؟ مجھے آج کچھ شاپنگ کرنے جانا ہے۔ تم ساتھ ہو گی تو وقت اچھا گزرے گا۔'' ملائکہ نے کہا تو اس نے ایک نظر آئینے کے سامنے تیار ہوتے علی پر ڈالی۔

''ٹھیک ہے، کب آنا ہے؟'' اُس نے پوچھا۔ پھر دوسری طرف کی بات سن کر کال کاٹ دی اور کام میں مصروف ہو گئی۔ لاشعوری طور پر وہ منتظر تھی کہ علی اُس سے پوچھے کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ لیکن اُسکے پاس وقت ہی کہاں تھا؟ جب ناشتہ کرنے تک وہ کچھ نہ بولا تو بلآخر خود ہی مخاطب ہوئی۔

''کیا تم کل چھٹّی لے سکتے ہو؟''

''چھٹّی؟ کس لیے؟'' اُس نے اچھنبے سے دیکھا۔

''تمہیں یاد نہیں؟'' اُس نے حیرت سے پوچھا۔

''ایسا بھی کیا ہے کل؟'' علی نے ذہن پر زور ڈالنا چاہا مگر کل کی تاریخ میں کوئی خاص واقعہ یاد نہ آیا۔

''کل احمد کا اسکول میں ایڈمشن کروانا ہے۔'' اُس نے افسوس سے کہا۔

''اوہ۔۔ میں بھول گیا تھا۔'' فوراً ہی یاد آیا۔

''احمد کے متعلق کوئی بات تمہیں یاد کہاں رہتی ہے؟'' چبھتا ہوا طنز تھا لیکن وہ نظر انداز کر گیا۔

''اتنے چھوٹے بچے کو اسکول بھیجنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟'' وہ اُسکے اتنے جلدی اسکول جانے کے خلاف تھا۔

''میں اپنے جیب خرچ سے بھر دوں گی اُسکی فیس۔'' اُس نے پلیٹ میں چمچ پٹختے ہوئے کہا۔

''پاگل ہو گئی ہو کیا؟ میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ حیران ہوا۔

''مطلب تو یہی تھا نا؟ میں تو جیسے جانتی نہیں کہ کتنا بھاری لگ رہا ہو گا تمہیں اُسکا خرچ اٹھانا۔''

''فار گاڈ سیک فاطمہ! میری بات کا ایسا کوئی مطلب نہیں تھا۔'' وہ دبی آواز میں چیخا۔ امّاں ابا تک آواز نہیں پہنچنے دینا چاہتا تھا۔

''تو تم کل چھٹّی لیکر میرے ساتھ ایڈمشن کے لیے چلو گے۔'' اب کے اُس نے آرام سے کہا۔

''کل میری بہت اہم میٹنگ ہے۔ میں نہیں آسکوں گا، تم خود چلی جانا۔'' اُس نے تحمل سے سمجھانا چاہا تو وہ ہنس پڑی۔ ہنسی کیا تھی۔۔۔ سیدھا سیدھا طنز تھا۔

''معلوم تھا مجھے، یہی جواب آئیگا۔''

''میں صبح صبح تم سے جھگڑا نہیں کرنا چاہتا۔''سنجیدگی سے کہتے ناشتہ چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اسے اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔فاطمہ لب بھینچے وہیں بیٹھی رہ گئی۔

اُسی روز شام میں وہ احمد کے ساتھ ملائکہ کی طرف چلی آئی۔وہ اُسے لیکر شہر کے مہنگے مال آئی تھی، جہاں ملک کے نامور برانڈز کے آؤٹ لیٹس تھے۔ملائکہ نے چند ہی گھنٹوں میں لاکھوں کی شاپنگ کر ڈالی تھی، پھر وہ فوڈ کورٹ چلی آئیں۔

''سوری یار! اپنے ساتھ تمہیں بھی تھکا دیا۔''جوس کا سپ لیتی ملائکہ نے اس سے معذرت کی۔

''نہیں نہیں! میں بلکل نہیں تھکی بلکہ تمہارے ساتھ یہاں آکر میں اچھا محسوس کر رہی ہوں۔''اُس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔جبکہ سچ تو یہ تھا کہ اتنے اونچے طبقے کے برانڈز کو دیکھ کر وہ پھر سے احساس کمتری میں مبتلا ہونے لگی تھی۔

''فاطمہ! مجھے ذرا ایک کال کرنی ہے۔میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔اوکے؟''یکدم ہی وہ اپنا موبائل لیتی اُٹھ کھڑی ہوئی اور اُسکا جواب سنے بنا عجلت میں وہاں سے چلی گئی۔وہ کندھے اچکا کر احمد کو فرائیز توڑ کے دینے لگی کہ تب ہی کوئی کرسی گھسیٹ کر سامنے آبیٹھا۔اُس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سانسیں اٹک گئی۔اپنی شاندار شخصیت کے ساتھ تقی سامنے تھا۔

''تم؟ یہاں کیوں آئے ہو؟''وہ دبی آواز میں غرائی۔

''مجھے ہی یہاں آنا تھا، کیوں کہ میں نے ہی تمہیں یہاں بلوایا ہے۔''ہونٹوں پر ہاتھوں کی مٹھی جمائے، اُسکے تاثرات سے محظوظ ہوتا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔فاطمہ کے تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔

''تو ملائکہ نے اس لیے مجھے یہاں بلایا تھا۔''غصّے سے کہتی وہ سامان سمیٹنے لگی۔اپنی دوست پر غصّہ آنے لگا۔

''کیا تم صرف ایک بار میری بات نہیں سن سکتی؟''اُسکے لہجے میں اتنا دکھ اور اس قدر التجا تھی کہ اُسکے ہاتھ تھمیں۔

''کیا کہنا چاہتے ہو آخر؟''سنجیدگی سے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

''تم نے میرا مطالبہ سن کر ایک ہی بار میں منگنی توڑ دی۔ایک بار وضاحت کا موقع تو دیتی۔''وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''اب ان سب باتوں کا فائدہ؟''چاہ کر بھی لہجہ سخت نہ رکھ سکی۔

''مجھے فائدہ ہو گا۔ہو سکتا ہے کہ تمہارے دل سے اپنے لیے غلط فہمی نکال کر میں پر سکون ہو جاؤں۔''اُسکی بات پر وہ ناسمجھی سے اُسے دیکھنے لگی۔

''میں چاہتا تھا کہ تم جاب کرو، اس لیے نہیں کہ مجھے تم سے تمہارے خرچے اٹھوانے تھے۔مجھے دیکھو! باپ دادا کی اربوں کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہوں۔بھلا تم سے نوکری کروا کر مجھے کیا ملنا تھا؟ میں بس چاہتا تھا کہ میری بیوی پر اعتماد ہو۔وہ جب میرے حلقہ احباب میں جائے تو اُسکی اپنی ایک پہچان ہو۔وہ

میرے نام سے نہ جانی جائے۔ میں تمہیں اپنی بات سمجھا نہ سکا تھا شاید! اور تم نے بھی مجھے وضاحت کا موقع دیئے بنا ہی منگنی توڑ دی۔'' کتنے دکھ تھے اُسکے لہجے میں۔۔۔

''تم جاب کرتی تو کیا میں ساری زندگی تمہیں ٹکے ٹکے کی نوکریاں کرنے دیتا؟ ہرگز نہیں۔۔۔ میں اپنی بیوی کو اُسکے نام پر بزنس کھول کر دیتا، میں اپنا سارا سرمایہ لٹا دیتا تمہارے لیے فاطمہ! تم اہم تھی۔۔۔ بہت اہم تھی۔'' وہ ساکت سی اُسے دیکھ رہی تھی۔

''اور آج بھی ہو۔'' اُس نے آہستہ سے کہا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟ میں اب شادی شدہ ہوں اور خوش ہوں اپنے گھر میں۔'' اُسکا لہجہ کپکپا گیا۔

''خوش ہو تو لگتی کیوں نہیں ہو؟'' اس سوال نے اُسکی زبان سلب کر دی۔

''میں چاہتا تھا کہ تم میرے قدم سے قدم ملا کر چلو، سر اٹھا کر جیو۔ بس یہی میری غلطی تھی۔ تم خود کو دیکھو، کیا کمی ہے تم میں؟ پھر کیوں اتنی اُداس ہو؟ تمہارا شوہر کیا تمہیں وہ خوشیاں نہیں دے سکا جسکی تم حقدار تھی؟'' وہ تو جیسے اُسکے غم میں پاگل تھا۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' اس بار اُسکے لہجے نے ساتھ نہ دیا۔

''مجھے تم خوش کیوں نہیں دکھتی؟'' اُسے لگا کہ وہ مزید اُسکے سوالات کا جواب نہیں دے سکے گی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' جلدی سے اپنا سامان اٹھاتی، اُٹھ کھڑی ہوئی۔ احمد کو گود میں اٹھایا اور ایک آخری نگاہ اُس پر ڈالی۔

''میں آج بھی تمہارا منتظر ہوں۔'' اُس نے بے بس سے لہجے میں کہا تھا، پر وہ رکی نہیں۔

گھر آئی تو دماغ جیسے جگہ پر ہی نہ رہا، وہ ہر بات بھول جا رہی تھی۔ نہ احمد کو دیکھ رہی تھی نہ گھر پر توجہ۔ علی کو احساس ہوا تو اُسکے پاس آیا۔

''مجھے پتہ ہے کہ تم ناراض ہو، میں نے کل کی میٹنگ کینسل کروا دی ہے۔ اور کل تمہارے ساتھ سکول بھی جاؤں گا۔'' اُس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا، اُسکا عہدہ اب اونچا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے میٹنگ کینسل کروا سکتا تھا۔ وہ بس سر ہلاتی وہاں سے ہٹ گئی۔ اُسکی خاموشی کو ناراضگی گردانتا علی جانتا ہی نہیں تھا کہ اُس نے اپنے شوق اور خوابوں کے بدلے کتنا بڑا خسارہ خرید لیا ہے۔

---------+---------+--------

پہلی ملاقات دوسری اور دوسری ملاقات، کئی ملاقاتوں میں بدل گئی۔ فاطمہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُسے سوچنے لگی، علی کا چڑچڑا پن دیکھتی تو اُسکا نرم لہجہ یاد آتا۔ وہ وقت نہ دیتا تو تقی کا ہر لمحے آنے والا میسیج اُسے آسمان پر پہنچا دیتا۔

''تم تو آج بھی اتنی ہی خوبصورت ہو۔'' آخری ملاقات میں اُس نے اُسکی تعریف کی تھی۔ وہ سوچنے لگی کہ علی نے آخری بار کب اُسکی تعریف کی ہو گی؟ جب اُنکی شادی کو چند ماہ ہوئے تھے۔ شاید تب؟ وہ لوگ ڈرائیو پر تھے تو اس نے ایسے ہی علی سے پوچھ لیا۔

''کیا پہلی ملاقات میں، میں تمہیں پسند آئی تھی؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟'' گاڑی چلاتا علی اس غیر متوقع سوال پر چونکا تھا۔

''جہاں تک مجھے یاد ہے، تم مجھے انکار کرنے آئے تھے۔''

''انکار کرنے تو نہیں آیا تھا مگر چاہتا تھا کہ تم خود ہی مجھے ناپسند کر دو۔'' اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر کر دیتی تو؟'' اُس نے آنکھیں چھوٹی کر کے پوچھا۔

''لو بھلا اتنے ہینڈسم انسان کو کون منع کرتا؟'' اُس نے بھنویں اچکا کر مصنوئی حیرت سے کہا۔

''میں کرتی، بلکہ کرنے والی تھی۔ جتنی تم کھڑوس شکل بنا کر بیٹھے تھے ناں، میں کرنے ہی والی تھیں۔'' علی نے تڑپ کر اُسے دیکھا۔

''میں کھڑوس تھا؟'' صدمے سے پوچھا تو اس نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو پھر منع کیوں نہیں کیا؟'' منہ بنا کر پوچھا۔

''تم نے گول گپے کھا لیے تھے ناں، اسی لیے میں نے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنا مناسب سمجھا۔''

''اوہ! تو وہ گول گپے میرا امتحان تھے۔ اگر میں نہ کھاتا تو؟''

''تو بھی ہاں کر ہی دیتی۔ اب ہیرو جیسے تو لگتے ہو تم۔'' اس بات پر وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

''اور تم تو انکار کا ارادہ کیے آئے تھے۔ منع کیوں نہیں کیا؟'' سوال اپنی جگہ برقرار تھا۔

''اب اتنی پیاری لڑکی کو کون انکار کرتا؟'' یہ شاید آخری بار تھا، جب اُس نے فاطمہ کی تعریف کی تھی۔ پھر تو جیسے اُسے یاد ہی نہ رہا کہ وہ پیاری ہے یا خوبصورت؟ اور تقی، وہ تو ہر ملاقات میں اُسکی تعریف کرنا نہ بھولتا تھا۔ وہ بار بار علی کا موازنہ تقی سے کرتی اور ہر جگہ تقی اُس سے اوپر نظر آتا۔

یہاں تک کہ فاطمہ آفندی ہر طرح سے شیطان کے بہکاوے میں بہہ گئی۔ تقی اُسکے لیے نت نئے تحفے لاتااور وہ اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی۔اپنے آپ پر فخر ہوتا کہ ایک ایسا انسان اُسے چاہتا ہے۔ علی کو دیکھتی تو وہی فخر پچھتاؤں میں بدلنے لگتا، بھلا اس شخص کو کیسے ہاں کر دی تھی اس نے ؟اس جیسے خود غرض اور مطلب پرست انسان کو کیسے زندگی میں شامل کر لیا اُس نے ؟

اور ایک دن اُس نے اپنے اس پچھتاوے کا اظہار ملائکہ سے کر دیا۔

''اب بھی کچھ نہیں بگڑا، تقی آج بھی تمہارا منتظر ہے۔''

''کیا مطلب ؟''اُسکا دل دھڑکا۔

''مجھ سے کہا تھا اُس نے، کہ اگر فاطمہ خلع لے لیتی ہے۔ تو میں اُسکا ساتھ دوں گا اور میں شادی کروں گا اُس سے، پاگل ہے وہ تمہارے لیے۔ میں نے تمہیں اس لیے نہیں بتایا کہ کہیں تم ناراض نہ ہو۔''

اور اُس روز فاطمہ نے اٹل فیصلہ کر لیا کہ وہ اب علی کے ساتھ نہیں رہے گی۔ وہ تقی جیسے انسان کے لیے ہی بنی تھی۔ جو اُسے شیشے کی طرح سنبھال کر رکھے نہ کہ علی جیسے انسان کے لیے۔

---------+---------+--------

وہ سوچ ہی رہی تھی کہ علی سے کیسے بات کرے ؟کیونکہ اس فیصلے میں اُسکے میکے والے تو ہر گز اُسکا ساتھ نہ دیتے۔ لیکن قدرت نے اُسے خود ہی موقع فراہم کر دیا۔

اُس روز علی تن فن کرتا گھر میں داخل ہوا تھا۔اور سیدھا کمرے میں آکر اُسے بازو سے جکڑا۔

''کس کے ساتھ تھی تم ؟''آنکھیں انگارے برسا رہی تھیں۔ وہ اس اچانک افتاد پر بوکھلا گئی۔

''کیا کر رہے ہو علی ؟ پاگل ہو گئے ہو کیا؟''اُس نے اپنا بازو چھڑانا چاہا۔

''آج ریسٹورونٹ میں کس مرد کے ساتھ تھی تم ؟''وہ دھاڑا۔اُس کے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''مجھ سے چھپ کر کس سے ملتی پھر رہی ہو ؟اور کب سے چل رہا ہے یہ سب ؟''علی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ گلا ہی دبا دے اُسکا۔اور اگلے ہی لمحے فاطمہ کے اندر کے شیطان نے اُسے راضی کر لیا۔ وہ کرنے پر جو وہ پورے ہوش و حواس میں ہوتی تو کبھی نہ کرتی۔ لیکن وہ حواسوں میں تھی ہی کہاں ؟

''تقی۔۔۔میرا سابقہ منگیتر، اگر تم نہ ہوتے تو اسی سے شادی کرتی میں اور ایک پر سکون زندگی گزارتی۔''اُسکا ہاتھ جھٹکتے ہوئے نفرت سے چیخی، علی جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

''کیا بکواس کر رہی ہو؟''اُسے اپنی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ یہ آخری شے تھی جو وہ تصوّر کر سکتا تھا۔

''بکواس نہیں سچ ہے یہ، شادی کرنا چاہتی ہوں میں اُس سے، ابھی مجھے آزاد کرو تاکہ۔۔۔''علی کے زناٹے دار تھپڑ نے اُسکی بات مکمل نہ ہونے دی۔

''دفع ہو جاؤ میری نظروں سے۔''اُس نے پاس رکھا شیشے کا گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا تو وہ سہم کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

وہ پوری رات علی نے کانٹوں پر گزاری، یقین نہیں آتا تھا کہ جو اُسکی آنکھوں نے دیکھا، جو اُسکے کانوں نے سنا وہ سچ تھا۔ فاطمہ وہ آخری عورت ہو سکتی تھی، جس سے وہ ایسے شدید دھوکے کی اُمید رکھ سکتا تھا۔ دل کرتا دیوار پر اپنا سر دے مارے، زہر کھالے یا کسی اونچی جگہ سے خود کو گرالے۔ خود کو گم کر لے لیکن جو سنا تھا اُسے فنا کر دے۔ پوری رات جاگ کر گزارنے کے بعد جب اٹھا تو ایک نئی خبر اُسکی منتظر تھی۔

فاطمہ گھر چھوڑ کر جا چکی تھی۔

---------+---------+--------

دو ہفتے وہ اپنا کام کاج چھوڑ چھاڑ کر کمرہ بند کر کے بیٹھا رہا۔ جو ہوا، اُسکی اطلاع سفیر صاحب کو بھی مل گئی تھی، مگر فلحال اُنہوں نے چپ سادھ لی تھی۔

وہ اُسکی زندگی کا ایک مشکل ترین دن تھا۔ فاطمہ کے گھر سے آنے والی کال نے اُسکے پیروں تلے زمین کھینچ لی۔ وہ بھاگم بھاگ وہاں پہنچا تھا تو اُس نے رو رو کر طوفان کھڑا کیا ہوا تھا، اُسکی ماں اور بھابھی اُسے سنبھالنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھیں۔ روتے روتے اُسکی نظریں علی پر پڑیں تو ایک لمحے رکی اور اگلے ہی لمحے جیسے کوئی جنون سوار ہوا تھا اُس کے سر پر۔

''تم۔۔۔تم ہی ہو میری اولاد کے قاتل، تمہاری وجہ سے میرا بچہ مر گیا۔ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی مر گیا۔''اُسکا گریبان پکڑتے اُسی پر چیخی۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟ میں بھلا اپنی اولاد کا قتل کیوں کروں گا؟''اُس نے اپنے گریبان سے اُسکے ہاتھ جھٹکے۔

''تم نے مجھے اس حد تک اسٹریس دے رکھا تھا کہ آج یہ دن دیکھنا پڑا، تم نے کبھی میرا یا میری صحت کا خیال نہیں رکھا۔ تم نے کبھی نہیں پوچھا کہ مجھے کس چیز کی ضرورت ہے؟ تم کبھی میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس نہیں گئے۔ تمہیں تو اپنے پہلے بچے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو اس سے کیوں ہوتی۔''وہ چلا چلا کر بول بولتی اپنے باپ کی طرف مڑی۔

''بابا! اس شخص نے اپنی خواہشات اور اپنے خوابوں کے بھینٹ چڑھا دیا ہمیں، ایک ایک شے کے لیے ترسایا اس نے مجھے اور میرے بیٹے کو، یہ تو خوش ہو گا کہ اسکے سر سے ایک بوجھ کم ہوا۔'' وہ اپنے باپ کو روتے ہوئے بتا رہی تھی۔ وہاں کھڑے ہر شخص کی ملامتی نظریں علی پر ہی تھیں۔ بلآخر فاطمہ آفندی اپنے گھر والوں کی ہمدردی حاصل کر کے اُنہیں علی کے خلاف کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

علی وہاں سے کچھ بھی کہے بنا واپس آ گیا، فاطمہ ساتھ نہیں آئی۔ اُس نے افسوسناک خبر اپنے ماں باپ کو سنائی اور ایک بار پھر سے کمرے میں بند ہو گیا۔

اپنے محاسبہ کا کڑا وقت آ گیا تھا۔ اگر وہ اپنے خوابوں کو پورا کرنا چاہتا تھا تو اس کو فاطمہ سے شادی نہیں کرنی چاہئے تھی، اور اگر کر لی تھی تو اُسے نبھانا بھی چاہیے تھا۔ نبھا نہیں سکتا تھا تو اُسی لمحے انکار کر دیتا، جس لمحے سفیر صاحب نے اُسے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ زیادہ سے زیادہ کیا ہو جاتا؟ وہ ساری عمر اُس سے بات نہ کرتے، تو پہلے کونسا کر رہے تھے؟ وہ اسے اپنی جائیداد سے عاق کر دیتے تو اب تک کونسا وہ اُنکی جائیداد میں سے کوئی حصّہ لیتا رہا تھا؟ کم از کم اپنی جدوجہد میں کسی اور لڑکی کو تو نہ شامل کرتا۔

''لیکن میں نے اس سے پوچھا تھا، بتایا تھا اُسے کہ میں اسے ویسی زندگی نہیں دے سکوں گا۔'' خود کو تسلی دینے کی کوشش کی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ فاطمہ نے اس سے اُسکا وقت مانگا، توجہ مانگی اور ہر مرتبہ علی نے اپنے کاروبار اور مستقبل کا رونا رویا۔ اُس نے اپنے بیٹے کے لیے توجہ مانگی تو اس نے جھڑک دیا۔ جب یہ سب چیزیں وہ اپنی بیوی کو نہ دے سکا تو اُس نے کسی اور سے یہ سب لینا شروع کر دیں۔

غلطی دونوں کی ہی تھی، دو ماہ اسی کشمکش میں گزر گئے۔ احمد کو اُسکی دادی سنبھال رہی تھیں۔ لیکن پھر بھی وہ پوری پوری رات روتا، دن بہ دن اُسکی صحت خراب رہنے لگی تھی۔ اُسکی حالت علی سے دیکھی نہ جاتی، بلآخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ فاطمہ کو ایک موقع اور دیگا، اپنی غلطیوں کو سدھارے گا، اگر اُسکے نصیب میں اپنا کاروبار کھڑا کرنا نہیں لکھا تو نہ صحیح پر وہ اپنا گھر خراب نہیں ہونے دیگا۔

اگلے دن وہ فاطمہ کے سامنے تھا۔ اپنی غلطیاں تسلیم کرتا، اپنے خوابوں اور خواہشات سے دستبردار ہوتا، اُسے ایک اور موقع دیتا۔

''میری اولاد مر گئی تمہاری وجہ سے اور تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ واپس چلوں اور سب کچھ پھر سے شروع کروں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو گا۔ اب مجھے تم سے طلاق چاہیے بس۔'' اُسکا جواب واضح تھا۔

''ایسے کون سے خواب دکھا دیئے ہیں اُس غیر مرد نے جو تم اپنا ہنستا کھیلتا گھر برباد کرنے پر تلی ہو؟'' علی نے دبے دبے لہجے میں کہا۔

''ہنستا کھیلتا؟'' وہ ہنسی ''گھر نہیں قبرستان ہے وہ، میری خوشیوں، خواہشوں اور خوابوں کا قبرستان۔ وہاں صرف تم ہوتے ہو اور تمہارے خواب ہوتے ہیں۔ ساری دنیا صرف تمہارے گرد گھومتی ہے وہاں۔ اور رہی بات تقی کی، تو اس شخص نے مجھے خواب نہیں دکھائے بلکہ مجھ پر ثابت کر کے دکھایا ہے کہ وہ تم سے کئی گنا بہتر ہے۔'' علی کو لگا کہ اُسے کسی نے زندہ دفنا دیا ہے۔ اُسکی بیوی اُسکے سامنے کتنے آرام سے ایک غیر آدمی کا ذکر کر رہی تھی۔

''فاطمہ!۔۔۔''سخت صدمے میں ڈوبی اس آواز پر دونوں نے ہی مڑ کر دیکھا تو دروازے پر فاطمہ کے والد شہیر صاحب کھڑے تھے۔ آنکھوں میں بے یقینی اور ملامت کا جہاں آباد تھا۔

''بابا۔۔۔''اُسکی سانسیں رکی۔ علی نے ایک نظر اُن دونوں کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے وہاں سے نکل گیا۔

''تم۔۔ تم بے شرم۔۔۔۔بے حیا عورت!''اگلے ہی لمحے شہیر صاحب نے اس پر تھپڑوں کی بارش کر دی تھی۔ وہ اُسے برا بھلا کہتے جاتے اور مارتے جاتے۔ بڑی مشکلوں سے گھر والوں نے اُنہیں وہاں سے ہٹایا۔

''اسے اسکے گھر چھوڑ کر آؤ، یہ واپس علی کے پاس جائیگی، ورنہ یہاں بھی نہیں رہے گی۔''اُنہوں نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''میں کہیں نہیں جاؤنگی، چاہے آپ مجھے مار ہی کیوں نہ دیں۔''وہ چیختی ہوئی، وہاں سے بھاگتی، اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔ کتنی ہی دیر تک اُسکے ماں باپ اُسے کوستے رہے۔ آخر میں اُسکے باپ نے یہ فیصلہ صادر کر دیا کہ رات تک وہ علی سے معافی مانگ کر واپس جائیگی یا وہ خود اُسے چھوڑ آئینگے۔

اور رات ہونے سے پہلے وہ اپنا سامان سمیٹ کر چلی گئی۔ ہاں! وہ چلی گئی، پر علی کے ساتھ نہیں بلکہ تقی کے ساتھ۔ اُس روز اُسکے گھر والوں نے اُس سے سارے ناطے ختم کر لیے۔ علی کو بھی فون کر کے بتا دیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ فاطمہ، تقی کے ساتھ ملائکہ کے گھر چلی گئی ہے تو اُسکا دل کیا دیواروں پر سر مار مار کر روئے۔

''میں نے تو سوچا تھا کہ مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر وہ لمحوں میں مجھے طلاق دے دیگا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا، پھر میں نے اپنے بچے کے مرنے کا الزام اُسے دیا تب بھی اس نے مجھے طلاق نہیں دی۔ اور حد تو یہ کہ وہ آج مجھ سے صلح کرنے آگیا۔ اُس نے تو میری ساری اُمیدوں پر پانی پھیر دیا۔''ملائکہ کے گھر میں اُسکے اور تقی کے سامنے بیٹھی وہ مایوسی سے کہہ رہی تھی۔

''بڑا ہی کوئی بیغیرت انسان ہے تمہارا شوہر، اپنی بیوی کو دوسرے مرد کے ساتھ دیکھ کر بھی صلح کرنے آگیا۔'' تقی کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے اُسے حیران کر دیا۔ ایک لمحے کے لیے اُسکی آنکھوں پر بندی پٹی اترنے ہی لگی تھی کہ اُس نے فاطمہ کی نظریں خود پر محسوس کرتے فوراً اپنے لہجے کو نرم کیا اور بولا۔

''وہ یقیناً تمہیں لٹکائے رکھنا چاہتا ہے۔ وہ کبھی بھی تمہیں اتنی آسانی سے آزاد نہیں کرے گا، کون شوہر چاہتا ہے کہ اُسکی بیوی اُسے چھوڑ کر کسی اچھے انسان کے ساتھ زندگی گزارے۔ لیکن تم فکر نہ کرو میں خلع کے معاملے میں تمہاری ہر قسم کی قانونی مدد کرونگا۔''نرم لہجے میں کہتا وہ ایک بار پھر اُسے اپنے جال میں پھنسا چکا تھا۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔''اُس نے پریشانی سے کہا۔

''میں جارہاہوں، کل آؤنگاوکیل کے ساتھ۔'' وہ کہتاہواچلاگیا۔وہ پرسکون ہوگئی۔ تقی اُسکے ساتھ تھا،اُسے ہر محاذ آسان لگ رہاتھا۔اگلے دن اُس نے فاطمہ کی طرف سے خلع کا کیس دائر کردیا۔جب علی کو یہ نوٹس ملاتواُسکے پیروں تلے زمین نکل گئی۔اُسکے خواب،اُسکی خواہشات،اُسکے شوق سب کہیں پس منظر میں رہ گئے۔یادرہاتوبس یہ کہ اُسکاگھرتباہ ہورہاہے۔اوروہ یہ نہیں ہونے دے سکتاتھا۔وہ پورادن جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں پھرتارہا، بار بار فاطمہ کوکال کرتارہالیکن اُس نے فون نہ اٹھایا۔اُسکاگھرٹوٹ رہاتھا،وہ پاگل ہورہاتھا۔

صرف ایک خواب ہی تو تھا؟

ایک خواب جسکی قیمت اُسکے باپ کی ناراضگی۔۔۔

اوراُسکی بیوی کی بے وفائی تھی۔۔

ایسے خواب پراُس نے ہزار مرتبہ لعنت بھیج دی تھی۔۔۔

آج احساس ہواکہ ہر شے سے زیادہ اُسکے لیےاُسکاگھراہم تھا۔۔۔

خوابوں سے زیادہ فاطمہ عزیز تھی۔۔۔

لیکن شایداب دیر ہوچکی تھی۔

---------+---------+--------

کورٹ میں فاطمہ اُسکے سامنے تھی،وہ اپنی دوست ملائکہ اوراُس شخص کے ساتھ آئی تھی۔دونوں ہی گاڑی میں بیٹھے رہے،کمرہ عدالت میں بس فاطمہ اکیلے تھی۔جج نے دنوں کواکیلے میں بات کرنے کاموقع دیا۔

''فاطمہ! واپس چلومیرے ساتھ،میں اپنی ہر غلطی تسلیم کرتاہوں۔دوبارہ تمہیں شکایت کاموقع نہیں دوں گا۔بس تم ضد چھوڑکرمیرے ساتھ واپس چلو۔''اُس نے ٹوٹے بکھرے لہجے میں ایک آخری کوشش کرنی چاہی۔

''کیوں چلوں واپس؟ پھرسے وہی جہنّم جیسی زندگی گزارنے کے لیے۔''اُس نے تڑخ کرکہاتوعلی کادل ٹوٹا۔

''میں کہہ تورہاہوں، جیسے تم چاہوگی ویسے ہی ہوگااب۔'' متلجی لہجے میں کہا۔

''اب مجھے تمہاری ضرورت نہیں رہی، تم نے ہمیشہ اپنے مستقبل کاسوچا۔اب میرا بھی حق ہے کہ میں صرف اپناسوچوں۔مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔''اُسکے منہ کوپیسہ لگ چکاتھا، بھلااب کیوں واپس جاتی؟

''مجھے ہے۔۔۔مجھے صرف تمہاری ہی ضرورت ہے۔میری زندگی میں تمہارے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے۔میں کیسے رہوں گا تمہارے بنا؟میں مر جاؤں گا فاطمہ!''اُسکی نم آنکھیں دیکھ کر ایک لمحے کو اُسکا دل پگھلا۔وہ سب کچھ جو کبھی وہ اُس کے منہ سے سننا چاہتی تھی،وہ اب کہہ رہا تھا۔جب اُسے ضرورت نہ رہی تھی۔

''مجھے تم سے مزید کوئی بات نہیں کرنی۔میرا تمہارے ساتھ اب گزارا ممکن نہیں ہے اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔''مقابل کو فرق نہیں پڑتا تھا۔

''مت کرو فاطمہ!دیکھو احمد کتنا چھوٹا ہے۔کیسے رہے گا تمہارے بنا؟''اُس نے التجا کرتے اُسکے ہاتھ تھام لیے۔

''میں تمہاری ہر غلطی معاف کر دوں گا،کبھی بھول کے بھی ذکر نہیں کروں گا ماضی کا،لیکن یہ مت کرو۔واپس چلو میرے ساتھ۔تمہارا بیٹا برباد ہو جائیگا۔"کتنی تڑپ تھی اُسکی آواز میں لیکن فاطمہ اندھی،بہری،گونگی سب ہو چکی تھی۔اُس نے علی کا ہاتھ جھٹکا،یہ شخص اُسکی سوچ سے زیادہ ڈھیٹ تھا۔بلآخر اُس نے ایک فیصلہ کیا۔ایک ایسا فیصلہ جسکے بعد علی نے دوبارہ اُس کی منت نہیں کی۔

''میرا بچہ حادثاتی طور پر نہیں مرا تھا،میں نے خود اُسے مارا تھا تاکہ تم سے جلد جان چھڑا سکوں۔''سفاکی سے کہتے اُس نے علی کے دل پر آرا چلا دیا تھا۔وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے اُسے دیکھتا رہا۔اُسکے کان بہرے کیوں نہ ہو گئے؟وہ مر کیوں نہ گیا؟وہ نفی میں سر ہلاتے پیچھے ہٹنے لگا،جیسے یقین نہ کر پا رہا ہو۔

''میں نے تمہیں۔۔۔کیا سمجھا تھا۔۔۔اور تم کیا نکلی؟''اُس نے صدمے سے کہا،بس ایک لمحے کو فاطمہ کا دل ڈوبا تھا۔اور اُسکے بعد علی نے اُسے طلاق دے دی اور اُسکی شادی محض چھے سالوں میں ختم ہو گئی۔پورا دن وہ پاگلوں اور دیوانوں کی طرح سڑکوں پر گھومتا رہا۔آنکھوں کے سامنے وہ منظر بار بار آتا جب عدالت سے باہر نکل کر فاطمہ،ملائکہ اور تقی کی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے گئی تھی۔

سفیر صاحب اُسے کال پر کال کرتے رہے لیکن اُس نے ایک فون نہیں اٹھایا۔بلآخر اُسکی ماں نے اُسے فون کیا۔

''علی گھر آجاؤ بیٹا!مت کرو ایسے۔۔۔مت کرو۔۔۔میں مر جاؤں گی۔''اُسکی ماں کے روتے لہجے نے اُسے گھر واپس آنے پر مجبور کیا،گھر آیا تو حالت دیوانوں کی سی تھی۔سفیر صاحب دوڑ کر اُسکے پاس آئے۔

''تم ٹھیک ہو علی؟کچھ ہوا تو نہیں تمہیں؟''اُسکے ماتھے پر ہاتھ رکھتے وہ بے چینی سے اُس سے پوچھنے لگے۔پیچھے اُسکی ماں کھڑی سسک رہی تھیں۔''تم کہاں تھے بیٹا؟مجھے بتاؤ تو کیا ہوا عدالت میں؟''وہ تڑپ رہے تھے۔علی نے خالی خالی نظروں سے اُنہیں دیکھا اور پھر اُنکا ہاتھ جھٹکا۔

''کیا ہونا تھا؟کیا ہونا تھا بھلا ابا؟''وہ چیخا تو سب کے سب ساکت ہو گئے۔

''برباد ہو گیا میں، تباہ ہو گیا میرا گھر۔۔۔ صرف آپکی وجہ سے۔۔۔ صرف اور صرف آپکی وجہ سے۔''اُنہوں نے شاک کے عالم میں اُسے دیکھا، وہ حلق کے بل چیخ رہا تھا۔

''کیا کہہ رہے ہو یہ تم؟ میری وجہ سے کیوں؟''اپنی آواز کپکپاتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''ایک دوڑ میں لگا دیا آپ نے مجھے، اُسکے پیچھے بھاگ بھاگ کر میں نے اپنا سب کچھ تباہ کر دیا۔ ایک پڑھائی ہی تو تھی ابا! ایسا بھی کیا کر دیا تھا میں نے کہ آپ نے ایسا بدلا لیا مجھ سے؟ آپکی انا نے میری زندگی تباہ کر دی۔''وہ چیخ رہا تھا، پاگل ہو رہا تھا، مر رہا تھا، فنا ہو رہا تھا۔

''علی! میری بات سنو۔۔ میں''وہ کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کوئی وضاحت دینا چاہتے تھے۔

''آپ کی وجہ سے میں نے اپنے گھر کو گھر نہیں بنایا، صرف پیسے کمانے کی دھن میں لگا رہا۔ دیکھا بھی نہیں کے میری بیوی کیا کرتی رہی ہے میرے پیچھے؟ صرف آپ پر یہ ثابت کرنے کے لیے کہ میں کچھ کر سکتا ہوں۔ آپ نے میری فاطمہ سے شادی کروائی، آپ نے مجھے اس نہج پر پہنچایا۔ اب خوش ہیں آپ؟ اب سکون مل گیا آپکو؟ جیت گئے آپ۔۔۔ صحیح تھے آپ۔۔۔ میں کچھ کرنے کے قابل نہیں ہوں۔۔۔۔ صحیح کہتے تھے آپ۔۔۔ صحیح تھے آپ۔۔''
روتے روتے وہ فرش پر ہی بیٹھ گیا۔ سفیر صاحب تو جہاں تھے وہیں کھڑے رہ گئے۔

''نہیں میرا بچہ۔۔۔ ایسے نہیں کرو۔''اُسکی ماں نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ وہ ایسے ہی تڑپ تڑپ کر روتا رہا۔ اُسکا غم بہت بڑا تھا۔

اُس روز کے بعد سفیر صاحب ڈھے گئے، اپنی غلطیاں اب نظر آنے لگی تھیں۔ رہی صحیح کسر علی کی حالت نے پوری کر دی تھی۔ اُس نے اپنی دونوں نوکریاں چھوڑ دیں، خود کو کمرے میں بند کر دیا۔ نہ کسی سے ملتا نہ کسی سے بات کرتا۔ جب بے چینی حد سے بڑھنے لگتی تو اپنی ماں کے پاس چلا آتا۔ اُنکے پاس بیٹھ کر گھنٹوں روتا، لیکن چین کسی طور نہ آتا۔ اب اُسے احساس ہوا تھا کہ وہ فاطمہ سے کتنی شدید محبت کرتا تھا۔ وہ واقعی اُسکے بنا ایک لمحہ نہیں گزار پا رہا تھا۔ احمد کی پوری ذمے داری اُسکی ماں نے لی ہوئی تھی۔ اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ علی کی دن بہ دن گرتی حالت دیکھ کر اُسکی ماں بستر سے جا لگیں۔ اور ایک روز نیند میں ہی اس دنیا سے چلی گئیں۔ یہ دوسرا صدمہ تھا جس نے اُسے بری طرح توڑا تھا۔

وقت کا کام گزرنا ہے، سو گزر جاتا ہے۔ اُس نے دوسری جگہوں پر ملازمت کے لیے سی وی دینی شروع کی لیکن ایک سال کے وقفے اور پچھلی نوکری بنا نوٹس پریڈ ادا کیے چھوڑنے کی وجہ سے اُسکا ریکارڈ خاصا خراب ہو گیا تھا۔ اُسے کہیں بھی نوکری نہ مل سکی۔ اسی دوران اُسے خبر ملی کہ فاطمہ نے تقی سے شادی کر لی اور دبئی چلی گئی ہے۔ وہ حیران ہوا کہ بھلا جس آدمی سے شادی کرنے کے لیے اس نے علی سے طلاق لی تھی، اس سے شادی کرنے میں ایک سال کا وقت کیوں لیا؟ یہ تو وہ جانتا تھا کہ وہ طلاق کے بعد سے ملائکہ کے گھر ہی رہ رہی ہے، پر شادی کرنے میں اتنا وقت؟ اُسے تو لگا تھا کہ وہ فوراً تقی سے شادی کر لے گی۔ جب اپنے ٹوٹے پھوٹے وجود کو دوبارہ سمیٹنے کی کوشش کی تو اس جان لیوا حقیقت کا ادراک ہوا کہ فاطمہ نے اُسے دھن دولت کے لیے چھوڑا تھا۔

بہر حال جب کہیں سے بھی کوئی جواب نہ ملا تو اس نے پورے ایک سال بعد اپنے باپ سے بات کرنے کی ٹھانی۔ اُس روز وہ اُنکے پاس آیا۔ بے حد سنجیدہ۔۔۔ موت جیسی خاموشی لیے، ویران چہرے کے ساتھ۔

''مجھے پیسے چاہیے۔۔۔'' بنا تمہید کے کہا۔

''سب کچھ تمہارا ہی ہے۔ جتنے چاہیے لے لو۔'' اُنکے جواب پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا، پھر کچھ دیر رکا رہا۔

''میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ باقی کچھ آپ دے دیں، مجھے اپنا بزنس شروع کرنا ہے۔ جب پیسے کمانے لگوں گا تو آپکو واپس کر دوں گا۔'' سنجیدگی سے مدعا بیان کیا۔ واپس کرنے والی بات پر اُنکا دل کٹ گیا، پر خاموش رہے کہ فلوقت اُس سے کوئی بدمزگی نہیں چاہتے تھے۔

''ٹھیک ہے! میرا کارڈ لے لو، جتنی ضرورت ہے اتنے لے لو۔ نقد رقم چاہیے تو گھر کے سیف میں رکھی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔۔۔'' مختصر جواب دے کر وہ وہاں سے اُٹھ گیا۔ پھر علی کی زندگی کا ایک ہی مقصد بن گیا۔ پیسہ کمانا اور صرف پیسہ کمانا۔ یہ وہ چیز تھی جسکے لیے اُسکے باپ نے اُسے ذلیل کیا، اُسکی بیوی نے اُسے چھوڑا تھا تو اب اُسے ہر صورت یہی شے چاہیے تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ زندگی کے کسی موڑ پر اُسے فاطمہ ملے تو اُسے کامیاب انسان دیکھ کر پچھتائے کہ اُس نے کیسا ہیرا گنوا دیا۔ اور کامیابی کیا تھی؟ علی کے لیے تو بس پیسہ تھی۔ پیسہ اب اُسکی ضد تھا۔

ایک ماہ تک بزنس کے مختلف مواقعوں پر غور کرنے کے بعد بلآخر اُس نے ایک چھوٹا سا آفس کھولا، آٹھ بندوں پر مشتمل ٹیم رکھی، ساتھ سے آٹھ ماہ تک اپنا وقت اسی کام کو دیا، نقصان نہ ہوا پر منافع بھی نہ کما سکا، آہستہ آہستہ اُسکے ٹیم ممبرز اُسے چھوڑ کر چلے گئے تو اُسے کاروبار بند کرنا پڑا۔

لیکن وہ رکا نہیں، اس بار اپنی جمع پونجی کے ساتھ ساتھ اپنی گاڑی، اپنی یونیورسٹی کے زمانے میں خریدی گئی مہنگی گھڑی، اور کچھ زیورات جو اُسکی ماں نے شادی پر اُسے دیئے تھے۔ سب کچھ بیچنے کے بعد ایک انٹیریئر ڈیزائنر کمپنی کے پچاس فیصد شیئرز خرید لیے، سفیر صاحب اُسے اس طرح سب کچھ لٹاتا دیکھ کر اندر ہی اندر سینکڑوں آنسو بہاتے۔ جتنا پیسہ وہ چیزیں بیچ کر اکھٹا کر رہا تھا، اُس سے دس گنا زیادہ سفیر صاحب اُسے کھڑے کھڑے دے سکتے تھے۔ لیکن وہ اُنکے پچھلے دیئے پیسوں کو ہی قرض سمجھتا تھا تو اب مزید کیوں لیتا؟ فاطمہ نے اُسے بری طرح توڑا تھا۔ اور فاطمہ بھلا کس کا انتخاب تھی؟ یہاں آکر اُنکا سانس رک جاتا، دم گھٹنے لگتا۔ اگر یہی فاطمہ، علی کا انتخاب ہوتی تو یقیناً آج اُنہیں پچھتاوے نہ ہوتے، بلکہ وہ تو یقیناً اُس کو صبح شام رات اُسکے غلط انتخاب پر لتاڑتے رہتے۔ آج جب علی کا حال دیکھتے تو سوچتے کہ اب کس کو موردِ الزام ٹھہرائیں؟ فاطمہ تو اُنکا انتخاب تھی، مجبور تو اُنہوں نے کیا تھا علی کو۔۔۔

بہر حال! نئے سرے سے پورا کاروبار کھڑا کرنے سے بہتر تھا کہ وہ چلتے ہوئے کاروبار میں سرمایہ لگائے۔ عمر پہلے سے ہی پچاس فیصد کا مالک تھا یوں اُن دونوں نے اس کاروبار کو مزید ترقی دے کر کافی بلندی پر پہنچا دیا۔

بلآخر اُس نے وہ سب کما لیا، جو وہ چاہتا تھا لیکن اب سفیر صاحب کی آنکھوں میں نظر آتے پچھتاؤوں سے اُسے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی، فاطمہ کی دوسری شادی کے تین سال بعد طلاق ہو گئی، یہ بات بھی اُسے سفیر صاحب سے معلوم ہوئی، لیکن اُسے جان کر نہ کوئی خوشی ہوئی نہ کوئی سکون ملا۔

وہ جیسے روبوٹ ہو گیا تھا جسکے نہ کوئی احساسات تھے نہ کوئی جذبات۔۔۔

---------+---------+--------

نہ کسی کی آنکھ کا نُور ہوں، نہ کسی کے دل کا قرار ہوں

جو کسی کے کام نہ آ سکے، میں وہ ایک مشتِ غبار ہوں

نہ تو میں کسی کا حبیب ہوں، نہ تو میں کسی کا رقیب ہوں

جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں، جو اجڑ گیا وہ دیار ہوں

میرا رنگ روپ بگڑ گیا، میرا یار مجھ سے بچھڑ گیا

جو چمن خزاں میں اُجڑ گیا، میں اسی کی فصلِ بہار ہوں

پڑھے فاتحہ کوئی آئے کیوں؟ کوئی چار پھول چڑھائے کیوں؟

کوئی آ کے شمع جلائے کیوں؟ میں وہ بے کسی کا مزار ہوں

میں نہیں ہوں نغمۂ جاں فزا، مجھے سن کے کوئی کرے گا کیا؟

میں بڑے بروگ کی ہوں صدا، میں بڑے دکھی کی پکار ہوں

نوید اُسے دیکھ رہا تھا، دکھ، کرب اور تکلیف سے۔ سب کچھ کہہ کر اب اُسکا چہرہ ساکت تھا۔ پلکوں پر نمی اب بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ نِگاہیں فرش پر مرکوز تھیں۔ اُسکا دل ہلکا ہوا یا نہیں مگر نوید کا دل ضرور بھاری ہو گیا تھا۔ اُسکے مشکل وقت میں وہ اُسکے ساتھ نہیں تھا، اب اس پچھتاوے سے کیسے نکالے گا خود کو؟

''جب میں نے رضا کے بارے میں معلومات اکٹھی کی تھیں، تب کہیں نہ کہیں میرے لاشعور میں انتقام ضرور تھا۔ شاید اُسی انتقام نے مجھ سے یہ غیر اخلاقی حرکت کروائی۔ مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔'' تکلیف سے پھٹتی، بھاری آواز میں اعتراف کیا۔

''تم نے معافی مانگ لی ناں؟ اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے بھلا؟'' نوید کو تسلی دینے کے لیے الفاظ کم پڑ رہے تھے۔

''میں نے تم سے تو معافی نہیں مانگی اب تک۔'' اُس نے سر اٹھا کر نوید کو دیکھا۔ اُس نے پھر وہی بات نکالی تھی۔ لیکن ہر بار کی طرح اس بار وہ اپنے ماتھے پر بل اور چہرے پر ناگواری نہیں لا سکا۔

''بھول جاؤ پرانی باتوں کو، اُس معاملے میں ہم سب برابر کے قصوروار تھے۔ اور رہی بات رضا کی، تو یقیناً اُسے برا لگا ہے۔ پر وہ جلد ہی اس بات کو بھلا دیگا۔ تم پریشان نہ ہو۔'' علی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر گیلی سانس اندر کھینچتا اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں گھر چلتا ہوں اب، کافی دیر ہو گئی ہے۔'' نوید بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہیں اپنے بیٹے کو واپس لانے کے لیے کوئی مدد چاہیے تو مجھے ضرور بتانا۔'' اُس نے ہمدردی سے کہا۔

''اُسکی کسٹڈی میرے پاس ہی ہے۔ لیکن جب وہ میرے ساتھ رہنا ہی نہیں چاہتا تو میں زبردستی ساتھ رکھ کر کیا کروں گا؟'' علی نے دکھ سے کہا۔

''علی! بچہ یہ نہیں دیکھتا کہ غلطی کس کی تھی؟ ماں کی یا باپ کی؟ بچہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ میرے ماں باپ نے بطور سنگل پرنٹس میرے لیے کیا کیا قربانیاں دیں؟ وہ بس اپنی محرومی دیکھتا ہے۔ اور زندگی کے کسی بھی حصے میں اُسے اپنی محرومی پوری کرنے کا موقع ملے تو وہ کر لیتا ہے۔ آج وہ تمہیں چھوڑ کر گیا ہے۔ کچھ عرصے بعد اُسے تمہاری کمی محسوس ہو گی، تب وہ تمہارے پاس آنا چاہے گا۔'' اُس نے سنجیدگی سے سمجھایا۔

''تب مجھے اُسکی ضرورت نہیں ہو گی۔'' اُس کے سخت لہجے پر ایک لمحے کے لیے وہ بھونچکا رہ گیا۔

''اولاد سے انتقام نہیں لیتے علی!'' اُس نے سمجھانا چاہا۔

''مجھے جانا ہے، بعد میں بات کریں گے اس بارے میں۔'' وہ مزید بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ نوید نے سر ہلا کر خدا حافظ کہا اور اب دور تلک اُسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

زندگی میں فاصلے بہت آ گئے تھے لیکن۔۔۔۔

اُس نے آج نوید سے اپنا دکھ ویسے ہی بانٹا تھا جیسے دس سال پہلے بانٹا کرتا تھا۔۔۔

پس،ثابت ہوا۔۔۔۔

دوستی لمحوں میں ختم نہیں ہو جاتی۔۔۔۔

اتنی آسانی سے تو بلکل نہیں۔۔۔۔

اور اگر ہو بھی جائے۔۔۔

تو احساس نہیں مرتا۔۔۔

---------+---------+--------

گول میز کے گرد بچے کتابیں پھیلائیں بیٹھے تھے، رضا باری باری سب کا ہوم ورک چیک کر رہا تھا۔ جن بچوں کا کام ہو چکا تھا وہ قریب ہی ٹی وی کے سامنے بیٹھے کارٹون دیکھ رہے تھے۔ چھوٹے بچے کھلونوں میں مصروف تھے۔ لڑکے سارے ایک گروپ کی صورت میں اپنے اپنے نوٹس لیے بیٹھے پڑھائی میں مصروف تھے۔ ویسے یہ سارے کام جزانے اپنے ذمے لیے ہوئے تھے، لیکن آج وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے پناہ گاہ نہیں آ سکی تھی۔ لہٰذا رضا یہ سب کر رہا تھا۔

''شاباش! میتھس (ریاضی) تو بڑی زبردست ہے تمہاری، ماشاءاللہ سارے جواب درست ہیں۔'' اُس نے کتاب بند کرتے ہوئے ایک بچے کو شاباشی دی تو وہ خوشی سے لال ہو گیا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ایک اور بچے کی کاپی اٹھالی، کاپی کی ورق گردانی کر ہی رہا تھا کہ پیچھے سے آٹھ نو سالہ بچی چلی آئی۔

''رضا بھائی! یہ دیکھیں میری ڈرائنگ۔'' اُس نے ایک اے فور سائز کے کاغذ پر بنی مصوری کو اُسکے حوالے کیا۔ اپنا کام چھوڑ کر رضا نے وہ کاغذ تھام کر دیکھا۔

''بہترین! میری ڈرائنگ تو کبھی اتنی اچھی نہیں رہی۔'' اُس کی بھی تعریف کی، پھر کاغذ کو باقی بچوں کی جانب گھماتے ہوئے پُکارا۔

''بچوں! یہ دیکھو، صفیہ نے کتنی پیاری پینٹنگ کی ہے۔'' بچوں نے تالیاں بجا کر اُسے داد دی۔

''میرے کلرز ختم ہو گئے ہیں۔'' کاغذ واپس تھامتے ہوئے بچی نے اطلاع دی۔

''کل آجائیں گے نئے۔'' جواب دیتے ہوئے گھڑی کی طرف نظر ڈالی۔ نو بج گئے تھے۔

''چلو بچوں! نو بج گئے ہیں، جلدی جلدی سامان سمیٹ کے سونے جاؤ۔''اُس نے بچوں کو مخاطب کیا۔ بڑے بچوں کو دس بجے تک جاگنے کی اجازت تھی، لہٰذا وہ سکون سے بیٹھے تھے، البتہ چھوٹے بچے جلدی جلدی سامان سمیٹنے لگے۔

''اور تم کہاں بھاگ رہے ہو عثمان؟''اُسکی نظریں عثمان پر پڑیں۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا کہ نو بج گئے۔اب سونے جارہا ہوں۔''آنکھیں گھماتے ہوئے معصومیت سے کہا تو رضا نے اُسے گھورا۔

''دودھ ختم کیے بنا کہیں نہیں جارہے تم۔''

''لیکن نو بج گئے۔۔۔''اُس نے جتایا۔

''کوئی بات نہیں تم دودھ ختم ہونے تک جاگ سکتے ہو۔''اُس نے کہا تو وہ منہ بناتے ہوئے واپس آیا اور اپنا گلاس اٹھا کر دودھ پینے لگا۔

''ارمینہ بیگ پیک کر لیا کل کے لیے؟''

''جی بھائی!''

''گڈ، جاؤ جا کر سو جاؤ۔''

''رضا بھائی یہ کوم پرامس کونسا لفظ ہے اور اسکے کیا معنی ہیں؟''شہباز نے سر کھجاتے ہوئے پوچھا۔

''کوم پرامس؟ یہ کیسا لفظ ہے بھلا؟''وہ حیران ہوا۔

''یہ دیکھیں میری انگلش کی کتاب میں لکھا ہے۔''سولہ سالہ شہباز اپنی کتاب لیے پریشان سا اُسکے پاس آیا۔

''دکھاؤ۔۔۔''اُس سے کتاب لیتے ہوئے رضا نے غور سے دیکھا اور اگلے ہی لمحے اُسکا دماغ گھوما۔

''یہی ہوتا ہے، جب انسان پورے سال اپنی کتابیں نہیں کھولتا۔ کمپرومائز لکھا ہے گدھے۔۔۔''اُسکے سر پر چپت لگاتے ہوئے خفگی سے کہا تو وہ کھسیا گیا۔ بڑے لڑکوں سے اُس کی چھوٹی موٹی نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔

''ان لوگوں سے پوچھا بھی تھا، انہوں نے کہا کوم پرامس لکھا ہے۔''منہ بسورتے ہوئے کہا، پیچھے بیٹھے اُسکے دوست ہنس ہنس کر بے حال ہو رہے تھے۔ یہ اُنکی بے ضرر سے شرارت تھی۔ اُنہیں دیکھتے ہوئے رضا مسکرایا۔

میں نے اس دن جو بھی کیا۔۔۔میں اُسکے لیے تم سے معافی چاہتا ہوں۔ جو ہوا وہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ میری غلطی تھی۔

مسکراہٹ سمٹی۔۔۔آنکھوں کے سامنے کچھ پرانے منظر لہرائے۔۔۔بڑے غلط وقت پر علی یاد آیا تھا۔

لیکن۔۔شاید میرا طریقہ غلط تھا۔

اُسکی شرمندہ آواز کانوں میں گونجی،وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹتا اپنے کمرے کی جانب چلا آیا۔لڑکوں کی باتوں کی آوازیں آرہی تھی۔وہ بستر کے سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھا۔علی نے اس سے معافی مانگی تھی،وہ شرمندہ تھا۔اس سے زیادہ کیا کرتا وہ؟اور جواباً رضا نے کیا کیا؟

''کیا ضرورت تھی مجھے اتنی بکواس کرنے کی؟معافی ہی تو مانگ رہا تھا بیچارہ۔۔۔''دل ہی دل میں خود کو کوستے جیب سے موبائل نکالا۔اور اگلے ہی لمحے رکا۔۔ٹھہرا۔۔۔اور ٹھہرا ہی رہ گیا۔یہ اُس نے کیا سوچا تھا ابھی؟وہ جو منافق تھا،آج بیچارہ کیسے ہو گیا؟جسکی شکل سے بھی چڑ ہوتی تھی،اُسکی شرمندگی میں آج صداقت کیوں نظر آنے لگی؟

موبائل واپس ٹیبل پر رکھ دیا۔دونوں ہاتھ باہم پھنسائے سنجیدگی سے پچھلے دنوں کے واقعات سوچنے لگا،دماغ بار بار ایک دہائی پیچھے لے جا رہا تھے۔

پہل در حقیقت کس نے کی تھی؟کون تھا جس نے الزامات لگائے تھے؟علی یا رضا؟

''ہاں!لیکن میں اُسی وجہ سے اُس روز اُسکے سامنے خاموش رہا۔''خود کو بودی سی دلیل پیش کرنے کی کوشش کی۔

''اس نے معافی مانگنے میں وقت نہیں لیا۔پر تم تو ایک دہائی گزرنے کے بعد بھی اپنی غلطی پر شرمندہ نہیں ہو رضا!''دل نے دلیل رد کرتے ہوئے آئینہ دکھایا۔ تھک کر سر ہاتھوں میں گرا دیا۔

--------+---------+----------

بستر سے کمر ٹکائے،دونوں گھٹنوں کو جوڑے وہ سر پیچھے گرائے بے آواز رو رہی تھی۔گلا درد سے پھٹ رہا تھا لیکن وہ ضبط کر رہی تھی۔سرخ و سپید رنگت کملا کر زرد ہو چکی تھی۔آنکھوں کے نیچے گہرے ہلکے چھائے ہوئے تھے۔اُسکے پیچھے ہی بستر پر احمد بے سدھ سویا ہوا تھا۔

فاطمہ آفندی کی سزا تو اُسی روز شروع ہو گئی تھی،جس روز وہ طلاق لیکر تقی کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔اُسکے دل پر ایسا بھاری بوجھ آن پڑا تھا جیسے کوئی بہت ہی بڑا جرم کر آئی ہو۔ملائکہ اور تقی پورے راستے اُسے مبارک باد دیتے رہے لیکن وہ مسکرانے سے زیادہ کچھ بھی نہ کر سکی۔

ملائکہ کے گھر ہی اُس نے اپنی عدت پوری کی،اُسکی خود بھی اپنے شوہر سے علیحدگی تھی۔اس دوران تقی انگلینڈ چلا گیا۔ایک سال تک وہ اُسے وہاں سے ہر ہفتے تحفے تحائف بھیجتا۔روزانہ کال کرنا بھی نہ بھولتا،اُسے احساس دلاتا رہتا کہ وہ کتنی اہم ہے؟اور وہ ہر حال میں اُسکے ساتھ ہے۔جب وہ اتنے وثوق سے دعوے کرتا تو اُسے اپنے خدشے بیکار محسوس ہوتے۔پھر ایک سال بعد تقی نے اس سے نکاح کر لیا۔

جس طرح اُس نے کہا تھا کہ وہ فاطمہ کے عشق میں پاگل ہے اور آج تک شادی نہیں کی اور جب وہ اس سے شادی کریگا تو دنیا دیکھے گی وغیرہ وغیرہ، ویسا کچھ نہ ہوا۔ بس چار لوگوں کی موجودگی میں نکاح ہو گیا۔ جب فاطمہ نے پوچھا تو اس نے بڑے پیار سے کہا کہ

''میرا پاکستان میں ہے ہی کون؟ سارا کاروباری حلقہ احباب، خاندان وغیرہ سب دبئی میں ہی ہیں۔ وہیں جا کر دھوم دھام سے شادی کریں گے۔'' وہ مان گئی۔ ایک ہفتے تک وہ ہواؤں میں اڑتی رہی۔

پھر ایک ہفتے بعد جب وہ دبئی پہنچی۔۔۔۔ تب اُسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے ساتھ کیا کر چکی ہے؟ بھلا اُس سے بڑا بیوقوف بھی کوئی ہو گا؟ جس نے اپنے ہاتھوں اپنی زندگی تباہ کی، اپنا ہنستا کھیلتا گھر اجاڑا۔۔۔ ہاں! ہنستا کھیلتا گھر، جو تب اُسے جہنم لگا تھا۔

وہ تقی جو اُس سے محبت کے دعوے کرتا تھا، فاطمہ اُسکی پہلی نہیں، دوسری نہیں بلکہ تیسری بیوی تھی۔ اُسکی پہلی بیوی در حقیقت اُسکی خاندانی بیوی تھی، جو اُسکے حلقہ احباب میں جانی جاتی تھی۔

اُسکی دوسری بیوی اُسکے لیے عورتوں کو بھلا پھسلا کر نشہ فراہم کرتی تھی۔ اور یہی کام وہ فاطمہ سے بھی چاہتا تھا۔ جب اُس نے غصّے میں ملائکہ کو فون کرنا چاہا تو اس نے موبائل چھین کر توڑ دیا۔

''بات سن خبیث عورت!۔۔۔ تُو اب یہیں رہے گی۔ اور تب تک جب تک مر نہیں جاتی یا میرا ساتھ دینے پر راضی نہیں ہو جاتی۔ بھاگنے کی کوشش مت کرنا ورنہ وہ سلوک کروں گا جو خواب میں بھی نہ سوچا ہو گا۔'' تقی کا بت چھنّاکے سے ٹوٹا تھا۔ وہ جیسی بھی تھی، ایسا حرام کام نہیں کر سکتی تھی۔ اُس نے صاف منع کر دیا۔ نتیجتاً بیلٹ، ڈنڈے اور ہر قسم کے تشدد سے اُس پر ہاتھ صاف کیا گیا۔ ایک دو بار اُس نے تھک کر حامی بھر لی اور تقی کے کہنے پر کسی یونیورسٹی میں ایم فل کے لیے انرول ہو گئی۔ وہاں کی معصوم لڑکیوں کو نشہ بیچا اور کچھ کو تو بھلا پھسلا کر اُسکے پاس بھی لائی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ ناکامی کی صورت میں وہ اُس سے مزید مار کھاتی۔ اُسکے ماں باپ نے تو پھر کبھی پلٹ کر اُسے پوچھا ہی نہیں۔ اُس نے تشدد سہہ لیا لیکن دوبارہ یہ کام نہیں کیا۔ بلآخر تھک کر تقی نے اُسے بیچنے کا ارادہ کر لیا تو اُسے اللہ نے وہاں سے نکال لیا۔

روتے روتے اُسے کھانسی کا شدید دورہ پڑا تھا۔ احمد اور اُسکی بیٹی اُٹھ نہ جائیں، اس ڈر سے اُس نے ضبط کرتے ہوئے منہ پر رومال رکھا۔ کھانس کھانس کر سانس رکنے لگا تھا۔ بے حال سی ہوتی اُس نے منہ سے رومال ہٹایا تو خون کے تین دھبّے وہاں نظر آئے۔ روتے ہوئے رومال موڑا اور دوبارہ سر بستر سے ٹکا دیا۔

''میں نے کتنا برا کیا تمہارے ساتھ علی! لیکن یقین جانو؟ میں احمد کو تم سے چھیننا نہیں چاہتی تھی، میں بس مرنے سے پہلے اُس سے ملنا چاہتی تھی۔'' درد سے تڑپتے، سسکتے دل میں علی کو مخاطب کیا۔

''میں نے بہت غلط کیا تمہارے ساتھ، اور سب سے بڑا ظلم تو۔۔۔'' کچھ یاد آنے پر آنسوؤں سے نم چہرہ اٹھا کر بستر پر سوئی اپنی چار سالہ بیٹی کو دیکھا۔

''مجھے مرنے سے پہلے ایک غلطی تو سدھارنی ہے۔'' دل ہی دل میں عزم کیا۔ پھر خود کو گھسیٹتی، لڑھکتی ہوئی، سائیڈ ٹیبل تک آئی۔ ایک کاغذ اور قلم نکال کر ٹیبل کے اوپر رکھا، پھر موبائل کا ٹارچ کھول کر کاغذ پر کچھ لکھنے لگی۔ کچھ ایسا جو آنے والے دنوں میں اُسکی اور علی کی زندگی کا نیا باب لکھنے والا تھا۔

---------+---------+--------

تیز تیز قدم اٹھاتی وہ وہاں سے جلد از جلد گزر جانا چاہتی تھی، لیکن اپنے پیچھے آتی سیٹی کی آوازوں نے اُسکے قدم منجمد کیے۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ تینوں پولیس والے اپنی پولیس موبائل سے ٹیک لگائے کھڑے، خباثت سے اُسے ہی دیکھ رہے تھے۔

''اتنے دنوں سے کہاں تھی حسینہ؟ نگاہیں ترس گئی تھی تمہیں دیکھنے کے لیے''۔ ایک نے بے شرمی سے کہا تو باقی دونوں ہنسنے لگے۔ اگلے ہی لمحے جزا اُن تک آئی اور رکھ کے ایک تھپڑ اُسکے منہ پر رسید کر دیا۔ وہ تو ہکا بکا رہ گیا۔

''بے غیرت، ذلیل انسان۔۔۔ تم ملک کے محافظ ہو یا عزتوں کے لٹیرے؟ شرم نہیں آتی، آتے جاتے لڑکیوں کو آواز کستے ہوئے؟'' جزا کی آواز اس حد تک بلند تھی کہ گھروں کے اندر موجود لوگ بھی باہر آ گئے۔ پولیس والا گڑبڑا گیا۔

''معاف کیجئے گا، ہم مذاق کر رہے تھے۔'' ایک پولیس والے نے لوگوں کو جمع ہوتا دیکھ معاملہ رفع دفع کرنا چاہا۔ مجمع میں موجود لوگوں کے ہاتھ میں موبائل تھے، معاملہ بگڑ سکتا تھا۔

''مذاق؟۔۔۔ تمہارا دماغ تو درست ہے؟ عورتوں کو حراساں کرنے کو تم مذاق کہتے ہو؟'' جزا نے اُسکا گریبان پکڑتے ہوئے پوچھا۔

''بی بی معافی مانگ لی نہ، اب آپ زیادہ فساد نہ پھیلائیں۔'' پولیس والا غصّے سے بولا تھا۔ جزا کا دماغ مزید کھول گیا۔

''تم اوقات میں رہو اپنی۔'' اس سے پہلے کے جزا مزید ایک آدھ تھپڑ اُسے مارتی، کچھ مردوں نے اس پولیس والے کو پکڑ لیا اور اب مل کر اُسکی درگت بنانے لگے۔ بڑی مشکلوں سے وہ پولیس والے اپنی جان بچا کر بھاگے تھے۔

لیکن۔۔۔

جاتے جاتے وہ جزا کو سرخ آنکھوں سے دیکھتا یہ دھمکی دے گیا تھا کہ

''اُسکا بدلہ تم سے ضرور لوں گا۔''

---------+---------+--------

کل رات پورے ایک ہفتے بعد اُسے نیند آئی تھی۔ صبح صبح بیل کی چنگھاڑتی ہوئی آواز سے اُسکی آنکھ کھلی۔ موبائل اٹھا کر وقت دیکھا تو آٹھ بج رہے تھے۔

''کون آگیا اس وقت ؟''بستر سے اٹھتے آنکھیں ملتے وہ دروازے تک آیا۔

دروازہ کھولا تو سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر ساکت رہ گیا۔ تقریباً بھی چار سال بعد وہ اُسکے دروازے پر کھڑے تھے۔

''آپ ؟۔۔''علی کو سمجھ نہیں آیا کہ کیا کہے ؟

''تمہاری امانت تمہیں لوٹانے آیا ہوں۔''اُنہوں نے کہا۔

''امانت ؟''وہ سمجھا نہیں۔

''ہاں ! یہ ہے تمہاری امانت۔۔۔''سامنے سے ہٹتے ہوئے کہا تو اُنکے پیچھے چار پانچ سالہ بچی کھڑی نظر آئی۔ چھوٹے بالوں کی آدھی پونی بنائے، آدھے بال کھلے رکھے تھے۔ گلابی رنگ کی فراک پر ہم رنگ سویٹر پہنے، کندھے پر ننھا سا بیگ لٹکائے، ماتھے پر کٹے بینگز میں کھڑی وہ جو کوئی بھی تھی، شکل سے ہی شرارتی لگتی تھی۔

''کون ہے یہ ؟''اُس نے شہیر صاحب سے پوچھا۔

''تمہاری بیٹی۔۔۔نشمیہ۔۔۔نشمیہ علی''علی تو جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

---------+--------+--------

(جاری ہے)

نحل کی نویں قسط اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ کو میری پیج اور ویبسائٹ پر شائع ہو گی۔ان شاءاللہ